جلد ۲
شمارہ ۸
ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۵۴ء
مطابق
صفر سنہ ۱۳۷۴ھ

ماہنامہ تذکرہ کراچی

قیمت
فی پرچہ چھ آنے
سالانہ چار روپے
خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ تذکرہ
آرام باغ، فریر روڈ
کراچی (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برسبیلِ تذکرہ

قحط، سیلاب اور زلزلے

گزشتہ ماہ مشرقی پاکستان میں جو ہولناک سیلاب آیا اس کی تباہ کاریاں اور ہلاکت خیزیاں قارئین کے سامنے آچکی ہوں گی کہ کس طرح بڑے بڑے شہر جھیل اور سمندر کا نمونہ بن گئے اور نتیجتاً لاکھوں انسان خانماں برباد، ہزاروں مویشی ہلاک اور سینکڑوں افراد لقمۂ اجل بنے۔ بیشمار کھیتیاں تہہ آب ہو کر برباد ہو گئیں۔ اس کے بعد اب لازماً بیماریوں اور وباؤں کا سلسلہ شروع ہوگا جو ایک کثیر آبادی کو اپنا شکار بنائے گا۔ اس کے لئے حکومت اور مختلف سماجی انجمنیں امدادی کاموں میں مصروف ہیں۔ اندرونِ ملک و بیرونِ ملک ہر طرف سے امداد کا سلسلہ جاری ہے۔ بہت سے دوست ملکوں نے رقم اور اسباب وسامان دونوں صورتوں میں اعانت کی ہے، اور امید ہو کہ حالات زیادہ خطرناک نہ ہونگے لیکن وہاں کے باشندے جو پہلے ہی سے غربت وافلاس کا شکار تھے اس آفتِ ناگہانی کے بعد مشکل ہی سے جانبر ہو سکیں گے۔

اس سے کافی عرصہ قبل یہی علاقہ قحط وخشک سالی سے دوچار ہو چکا ہے جس میں لاکھوں افراد نے مٹھی بھر چاول نہ ملنے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر جانیں دیدیں۔ ہر چند ہمہ گیر طور پر رسد وامداد کا انتظام کیا گیا لیکن قحط اپنا کام کر چکا تھا، آج کل وہی قحط ہمارے معاشرہ میں ضرب المثل بن چکا ہے۔

اس کے بعد گزشتہ ماہ کی دوسری المناک خبر الجزائر کا خوفناک زلزلہ ہے جس سے وہاں کا شہر اورلینزوں مکمل طور پر تباہ ہو گیا، ہزاروں افراد ہلاک ہو گئے۔ مسلسل ایک ڈیڑھ ہفتہ تک زلزلہ کے جھٹکے روزانہ محسوس کئے جاتے رہے۔ عمارات کے گرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ تباہی بھی کسی طرح کم نہیں ہے۔ سب سے

زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ وہاں کی آبادی زیادہ تر مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اس قسم کے زلزلہ کی مثال ہمیں کوئٹہ کے زلزلہ میں ملتی ہے جو اپنی تباہ کاریوں کے باعث اب تک لوگوں کے ذہن میں محفوظ ہے۔

قابلِ غور امر

قابلِ غور بات یہ ہے کہ آجکل یہ طوفانِ باد و باراں، قحط، سیلاب اور زلزلوں کا زور کیوں ہے؟ یہ دردناک مناظر اور ہولناک واقعات دیکھکر کبھی ہماری چشمِ عبرت وا ہوئی؟ مادی اسباب سے قطع نظر ہم نے کبھی اسکے روحانی اسباب پر بھی غور کیا ہے؟ کیونکہ مادی اسباب اسی وقت عمل میں آتے ہیں جبکہ روحانی طور پر بھی کسی ملک یا قوم کا دیوالہ نکل گیا ہو۔

ہمارے ناقص خیال میں یہ عذابِ الٰہی کی مختلف صورتیں ہیں جو انسانیت کو اسکے خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کیلئے جابجا ظاہر ہوکر تازیانہ ہائے عبرت رسید کرتے رہتے ہیں۔ اگر ہم ان واقعات وحادثات کو محض اتفاقی اور مادی اسباب پر محمول کرکے ٹال دیں تو اس سے بڑی نادانی کوئی نہ ہوگی، اگر ان کو اس طرح اتفاقی اور مادی کہکر ٹالا جاسکتا ہے تو طوفانِ نوح کو بھی محض اتفاقی اور مادی قرار دیا جاسکتا ہے۔ قوم لوط اور عاد و ثمود کے عذاب سے بھی انکار کیا جاسکتا ہے سیلِ عرم، غرقِ فرعون اور سنگساریٔ اصحابِ فیل ان سب کو محض اتفاقات اور اسبابِ مادی پر مبنی قرار دیکر ان کی اصل روح اور سبب سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ الغرض اگر ہم اسی طرح ہر عذاب کو محض ایک اتفاقی حادثہ تصور کرنے لگیں تو کرسکتے ہیں لیکن یہ نفس کا دھوکا ہوگا جو پچھلی امتیں اپنے آپ کو دیتی آئی ہیں وَقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ (یعنی جب خدا نے عذاب لانے کے بعد ان کو کچھ ڈھیل اور راحت دیدی تو وہ کہنے لگے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی اسی طرح تنگی اور راحت پیش آتی رہتی تھی۔ (یہ محض اتفاقی ہے اس کو عذاب وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں) لیکن ان کو اس خوش خیالی سے کوئی فائدہ نہ ہوا، بالآخر خدا نے اس طرح انہیں آن لیا کہ پھر نجات کا کوئی راستہ باقی نہ رہا۔ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ۔

لمحۂ فکریہ

موجودہ صورتِ حال میں ہمیں سوچنا چاہئے کہ کہیں یہ سب ہمارے ہی اعمال وافعال کا نتیجہ تو نہیں جو ہم سزا کی صورت میں بھگت رہے ہیں، یہ ہمارے ہی کرتوت تو نہیں جو ہمارے سامنے آرہے ہیں کیونکہ حیلہ تراشی اور بہانے بازی کا وقت اب گذر چکا، اب انجام وعاقبت سر پر آکھڑی ہوئی ہے، اس سے بچاؤ کی صحیح صورت یہ ہے کہ ہم اس کا اصل سبب سوچ سمجھ کر مان لیں اور اس کی تلافی کریں نہ یہ کہ آنکھیں میچ لیں اور ٹال مٹول سے کام لیں۔

خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے:۔ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (یعنی جب ہم کسی بستی یا ملک کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے خوش عیش امیروں رئیس لوگوں کو (کتاب یا رسول کے ذریعہ اطاعتِ الٰہی کا) حکم دیتے ہیں لیکن جب وہ لوگ نافرمانی پر اڑے رہتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور ہم اُس علاقہ کو تباہ وبرباد کر ڈالتے ہیں) سوچئے کیا یہی صورت ہمارے ملک ومعاشرہ میں نہیں۔ عرصہ ہوا نبی

(باقی بر صفحہ ۱۵)

تفسیر قرآن

سورۃ البقرہ

(۲۰)

(خواجہ محمد عبدالحی، فاروقی)

ماتحت نہیں رہ سکتے

بنی اسرائیل کے متعلق اب تک دو باتوں کا فیصلہ ہوا ہے

(۱) ان میں حکومت کرنے کی قابلیت نہیں اور تلوار ان سے ہمیشہ کے لئے چھین لی گئی ہے۔

(۲) مسلمانوں کے ساتھ مل کر اور ان کے دست و بازو بن کر دعوت و ارشاد کا فرض ادا نہیں کر سکتے۔

آئندہ بتایا جائے گا کہ ان لوگوں کو اپنے ماتحت رکھنا یا ان کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات قائم کرنا بھی جائز نہیں۔ اُن کی تمام قومی زندگی دغا بازی اور حیلہ سازی کی تاریخ ہے، اس لئے مسلمانوں کی نگرانی میں رہ کر بھی چین سے نہ بیٹھیں گے، بلکہ اول تو ان کی کوشش یہی ہوگی کہ یہی امراض و مفاسد مسلمانوں میں پیدا ہوں، اور اگر اس میں ناکام رہے تو ان کے ساتھ دھوکا کریں گے اور عین وقت پر نقصان پہنچائیں گے، اس لئے آگے چل کر یہ تعلیم دی جائے گی کہ ان سے ترکِ موالات کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ اور ان کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات و روابط رکھنا ممنوع و ناجائز ہے۔

تقلید اعمیٰ

(۸۸) وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ۝

"اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے، یہ نہیں بلکہ اُن کے کفر کی بنا پر اللہ نے ان پر لعنت کی، پس بہت کم ایمان لاتے ہیں"

ان لوگوں نے امانت کے ادا کرنے میں ہمیشہ خیانت سے کام لیا، وہ سر سے لیکر پاؤں تک گندگیوں اور نجاستوں سے بھرے ہوئے ہیں، غلف، اغلف کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ چیز لی جاتی ہے جو پردہ کے اندر ہو۔ اس اعتبار سے آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو قرآنِ حکیم کی تعلیم سے بے نیاز خیال کرتے ہیں اور غرور و تکبر کی بنا پر اس سے رُوگردانی اختیار کرتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ قرآن کی آیات بینات ان کے قلوب و اذہان پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتیں۔ ابنِ عباس رض کہتے ہیں کہ "غلف" بضم اللام، غلاف کی جمع ہے، یہودی کہتے ہیں کہ ہمارے دل خزینہ دار علم و حکمت ہیں ہیں آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے کی ضرورت نہیں:

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ (۴۰: ۸۳) اور جب ان کے رسول ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لیکر آئے، تو یہ لوگ اپنی لیاقتِ علمی پر بڑے نازاں ہوئے۔

جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ مذہبی امام و پیشوا ہیں ان کے پاس اللہ کی کتاب ہے اور بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہونگے، اُن کا اولین فرض یہ ہونا چاہیئے کہ حق بات کو ماننے کے لئے تیار ہیں، اور اس کو اس طرح لبیک کہیں، جیسے بھوکا

کھانے کو، اور پیاسا پانی کو لینے کے لئے لپکتا ہے، مگر ان بدبختوں کی حالت یہ ہے کہ ایسی تعلیمِ صحیح کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں جو دنیا و آخرت کی ترقی کا ذمہ لیتی ہے، اور تمسخر و استہزا کے طور پر کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو ان مضامین سے کیا تعلق۔ گویا دوسرے الفاظ میں ان کا فیصلہ یہ ہے کہ جس جگہ آج ہیں اس سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھیں، پھر جس قوم نے خود ہی ترقی نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہو، اپنے پاؤں میں اندھی تقلید کی بوجھل زنجیریں ڈالی ہوں، اُن سے اب کیا توقع ہو سکتی ہے؟

وہ تنزّل و انحطاط کو پسند کرتے ہیں، پس اِس جمود و استبداد کی بنا پر، جس کا سببِ وحید وہ کفر و عصیان ہے جس کا انھوں نے پہلے ارتکاب کیا، ان پر اللہ کی لعنت نازل ہو چکی ہے اُن کے دل حق بات قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، اور اس کی رحمت اُن سے روٹھ گئی ہے۔

(۸۹) وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب پہنچی جو اس کتاب کی تصدیق کرتی تھی جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے، پھر جس کو انھوں نے پہچان رکھا تھا، ان کے پاس آگیا تو انکار کر بیٹھے۔ پس منکروں پر اللہ کی لعنت ہو۔

بنی اسرائیل کو اِس بات کا پورا یقین تھا کہ، جس مثیلِ موسیٰ کی خبر کتابِ استثنار کے اٹھارویں باب کی ۱۵ تا ۱۹ آیات میں دی گئی ہے۔[1] ابھی تک دنیا میں ظاہر نہیں ہوا۔ وہ جانتے تھے کہ اس ذاتِ مقدس کا ظہور مکۂ مبارکہ میں ہوگا اور اس کا مقامِ ہجرت مدینہ منورہ قرار پائے گا۔ اسی لئے انھوں نے بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع کو اطرافِ مدینہ میں آباد کر دیا تھا، ان کی اوس و خزرج سے ہمیشہ جنگ رہا کرتی، اُن کی کوشش یہ رہتی کہ جس طرح ممکن ہو ان کا نام و نشان مٹا دیں۔ جب کبھی انھیں شکست ہوتی تو والہانہ و مضطربانہ دعا کرتے کہ خداوندا! نبی آخر الزماں کو بھیج کہ ہماری مصیبتوں اور تکلیفوں کے دن ختم ہوں، اور کفار پر غلبہ حاصل کریں۔ چنانچہ یہی باتیں انصار کے مسلمان ہونے کا باعث بنیں۔ گویا یہودی اپنی تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کو اِس وجودِ اقدس کے ساتھ وابستہ یقین کرتے تھے۔ کیوں کہ انھیں وعدہ دیا گیا تھا کہ:

"اگر تو کوشش کرکے خداوند اپنے خدا کی آواز سُنے...... تو خداوند تیرا تجھے زمین کی قوموں کی

---

[1] (پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں) "خداوند تیرا خدا، تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے، تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو، اس سب کی مانند جو تو نے خداوند اپنے خدا سے حورب میں مجمع کے دن مانگا۔ اور کہا ایسا نہ ہو کہ میں خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سنوں، اور ایسی شدّت کی آگ میں پھر دیکھوں، تاکہ میں مر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کیا۔ میں ان کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا، وہ سب اُن سے کہے گا۔"

(کتاب استثنار: ۱۵ تا ۱۹)

بہ نسبت سرفراز کرے گا، یہ ساری برکتیں تجھ پر آویں گی اور تجھے پہنچیں گی۔" (کتاب استثنار : ۲۸-۱ و ۲)

آگے چل کر فرمایا:

"اگر تو خداوند اپنے خدا کے حکموں کو حفظ کرے گا اور اس کی راہوں پر چلے گا تو خداوند تجھ کو اپنے لئے پاک قوم بنائے گا، جیسا کہ اُس نے تجھ سے قسم کی ہے اور زمین کے سارے فرقے دیکھیں گے کہ تو خداوند کے نام سے کہلایا، سو وہ تجھ سے ڈرتے رہیں گے۔"

(کتاب استثنار : ۲۸-۹ و ۱۰)

اِسی لئے قرآنِ حکیم ان سے بار بار مطالبہ کرتا ہے کہ، اس رسولؐ پر ایمان لے آؤ کہ تمھاری پیشین گوئیوں کی تصدیق ہو۔ مگر کورانہ تقلید، قومی روایات اور تعصب و ہٹ دھرمی کی بنا پر صاف انکار کر بیٹھے، حالانکہ جس طرح انھیں اپنی اولاد کے شناخت کرنے میں کبھی دھوکا نہیں ہوا، ایسے ہی وہ آپ کو بھی پہچانتے تھے یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ:

(الف) موسےٰ علیہ السلام سے لے کر عیسیٰؑ تک کسی نبی نے کتاب استثنار کی پیشین گوئی کے مطابق مثیلِ موسےٰ ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا، حالانکہ اس دَوران میں ان کے پاس برابر نبی آتے رہے۔

(ب) عیسیٰ علیہ السلام کے بعد چھ سو برس تک بنی اسرائیل میں ایک بھی نبی نہ آیا۔

(ج) وہ مانتے ہیں کہ موسیٰؑ کے مانند جس نبی کی بعثت کا وعدہ دیا گیا ہے وہ بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے ہوگا۔

(د) ضمناً وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ اب نبوت ہمارے خاندان سے منتقل ہو کر اسمٰعیلؑ کے گھرانے میں چلی جائے گی

پس جب باوجود اِن تمام حقائق ثابتہ کے وہ نہیں مانتے تو ان پر خدا کی لعنت ہو، اور اُس کی خیر و برکت سے دُور ہوں۔

انکار کا سبب

(۹۰) بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

"اپنی جان کو انھوں نے بُرے مول خریدا کہ اللہ کے اُتارے ہوئے کلام کے مُنکر ہو گئے، اِس ضد پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل اُتارے، سو غصہ پر غصہ کما لائے اور منکروں کے لئے ذلّت کا عذاب ہے۔"

ان لوگوں کی توقعات یہ تھیں کہ وہ نبی اُن کی قوم میں سے ہوگا، اُن کے غلط عقائد اور بیجا توہمات کی تائید کرے گا۔ اور اس کا مذہب ان کی خواہشات و مالوفات کے مطابق ہوگا۔ مگر جب دیکھا کہ وہ نبی اسمٰعیل کے خاندان میں پیدا ہوا ہے، ان کے تمام عقائدِ باطلہ اور حریتِ فاسقہ کی مخالفت کرتا ہے، تو اُن کے بغض و حسد کی کوئی حد نہ رہی۔

گویا باوجود شناخت کرنے کے ان کے انکار کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انھیں چھوڑ کر دوسری قوم کو اپنے فضل و اکرام کے لئے کیوں مخصوص کر لیا گیا، پس دوہرے غضب کے مستحق ہوئے ایک عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کی بنا پر، اور دوسرے آپ کے نہ ماننے کی وجہ سے، ایسے کافروں کو اسی دنیا میں محکومی کی ذلیل زندگی

بسر کرنی پڑے گی۔

پابندیِ توراۃ کا دعویٰ غلط ہے

(۹۱) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے اُتارے ہوئے کلام پر ایمان لاؤ۔ تو کہتے ہیں کہ ہم اُس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا ہے اور جو اس سے پیچھے آیا ہے وہ اس کو نہیں مانتے۔ حالانکہ وہ حق ہے جو ان کے پاس ہے اُس کو سچ بتاتا ہے، ان سے کہو کہ اگر تم مومن تھے تو اس سے پہلے خدا کے پیغمبروں کو کیوں قتل کرتے تھے"

علمائے یہود نے اعتراض کیا تھا کہ قرآن ہم پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن ان تمام پیشین گوئیوں کی تصدیق کرتا ہے جو توراۃ میں موجود ہیں۔ پھر انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم صرف توراۃ کو مانیں گے اور کسی کتاب کو اپنا دستور العمل بنانے کے لئے تیار نہیں۔ اس پر ان سے کہا جاتا ہے کہ اگر یہ حقیقت میں ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو تو ان انبیاء کو کیوں قتل کیا، جو صرف توراۃ کی دعوت دیتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ پابندیِ توراۃ کا دعوےٰ کرنا سرے سے غلط ہے۔ تم ہمیشہ سے کتابِ الٰہی کے منکر رہے ہو۔

(۹۲) وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ (۹۳) وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

"اور تمہارے پاس موسیٰ ؑ صریح معجزے لیکر آئے، پھر تم نے اس کے پیچھے بچھڑا بنالیا، اور تم ظالم تھے اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور طور کو تم پر بلند کیا۔ ہم نے کہا، جو ہم نے تم کو دیا اس کو قوت کے ساتھ پکڑو اور سُنو! انہوں نے جواب دیا، ہم نے سُنا، اور مانا نہیں اور اُن کے کافر ہونے کی وجہ سے گوسالہ کی دوستی اُن کے دلوں میں رچ گئی، تم کہو اگر تم ایمان والے ہو تو تمہارا ایمان بُری چیز کا حکم کرتا ہے"

توراۃ کے تم پابند نہ بنے اور انبیاء مجددین کو برابر قتل کرتے رہے۔ تم نے موسیٰ ؑ سے پابندیِ توراۃ کا عہد کیا، مگر اعمالِ حیات سے ثابت کر دیا کہ اس کتاب کو اپنی زندگی کا دستور العمل نہ بناؤ گے، اس انکار و جحود کا اصلی سبب یہ تھا کہ کفر و باطل پرستی نے تمہارے دلوں میں روپے کی محبت پیدا کر دی تھی، تم نے مال و دولت کو اپنا قبلہ بنالیا تھا اور تمہارے دلوں نے کفر کو اِس طرح قبول کرلیا تھا، جیسے کپڑا رنگ کو جذب کرلیتا ہے۔

اگر ایمان کے یہی کارنامے ہیں، اور وہ ایسی ہی غلط کاریوں اور بیہودہ حرکتوں کا حکم دیتا ہے، تو کیا پھر اس سے بدترین کوئی اور ایمان بھی ہو سکتا ہے، ضمیر فروشی کرو، دولت کو اپنا امام بنالو۔ اور روپے کے آگے سربسجود ہو جاؤ، اس کے باوجود مومن رہو، کیا خوب!

آخرت کے متعلق خیالات

یہاں تک اُن کی دنیاوی زندگی، ان کے روزمرہ کے کارناموں اور اُن کے عقائد و اخلاق پر بحث ہوئی ہے، اب بیان

ہوتا ہے کہ باوجود ان ناشائستہ حرکتوں کے اپنی نجات کے متعلق انھوں نے کیا کیا منصوبے باندھ رکھے ہیں۔

(۹۴) قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ
خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ○ (۹۵) وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ
أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ○ (۹۶) وَلَتَجِدَنَّهُمْ
أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ
يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ
مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ○

"تم کہدو کہ اگر اللہ کے ہاں لوگوں کے سوا آخرت کا گھر تمھیں ملنا ہے، اگر سچے ہو تو مرنے کی آرزو کرو، اور جو کچھ ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اس کی وجہ سے کبھی یہ آرزو نہ کریں گے اور اللہ گنہگاروں کو خوب جانتا ہے اور تو ان کو سب لوگوں سے زیادہ زندہ رہنے کے لئے حریص پائے گا، بلکہ مشرکین سے بھی بڑھ کر حریص۔ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش اس کی عمر ہزار ہزار سال کی ہو اور اتنا جینا عذاب سے اس کو بچا نہ دیگا۔ اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔"

دولت کو امام بنانا، تورات کی دعوت پر سمعنا و عصینا کہنا اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا، پھر اس پر کہنا کہ لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ (۲: ۱۰۹)[1] اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہی اللہ کے محبوب اور برگزیدہ ہیں، پس اگر وہ اپنے دعوائے محبت میں سچے ہیں تو اللہ کے نام پر مرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس قانون کی نشر و اشاعت میں لگ جائیں اور اس کے لئے ہر قسم کی تکلیف برداشت کریں، جو شخص صحیح تعلیم کی خاطر اپنی ہر متاعِ حیات قربان کرنے کو تیار نہیں، اُسے کوئی حق حاصل نہیں کہ اپنے آپ کو محبوبِ الٰہی کے نام سے مشہور کرے اور اس شخص پر ہرگز اعتماد نہیں ہو سکتا۔

رسول اللہ ﷺ نے نصاریٰ نجران کو اس امر کی دعوت دی تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم قف ثم نبتہل فنجعل لعنت اللہ علی الکذبین ○ (۳: ۵۴) کہ ہم دونوں اپنی اپنی تعلیم پر قربان ہونے کو تیار ہوں، مگر جھوٹوں سے یہ توقع کہاں؟ یہی حال ان یہودیوں کا ہے، یہ لوگ اپنی جانوں کو زیادہ عزیز سمجھتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد ہی ہمارے اعمالِ فاسقہ کا احتساب شروع ہو جائے گا۔ اس لئے موت کی آرزو کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو ان ظالموں کی حقیقت کا پہلے ہی سے علم تھا مگر عام لوگوں میں اپنی محبتِ الٰہی کا راگ الاپتے تھے، اب اس مطالبہ کی بنا پر ان کی قلعی کھل گئی، اور کسی شخص کو اُن کے ظاہری تقدس سے دھوکا نہ ہوگا۔

مشرکین کی حالت یہ ہے کہ قوم اور وطن کے لئے اپنی جانیں تک لڑا دیتے ہیں۔ عزت و ناموس اور شہرت و ناموری کی خاطر ہر چیز قربان کر دیتے ہیں، مگر یہ لوگ اہلِ علم ہونے کے باوجود اتنی تکلیف بھی گوارا نہیں کر سکتے اور مدت ہائے دراز تک دنیا میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ ایک جاہل آدمی اگر ایسا کرے تو اس کو معذور قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن ایک تعلیم یافتہ کا سب سے بڑا جرم یہی ہے کہ وہ تعلیماتِ صادقہ پر اپنے آپ کو قربان نہ کر سکے۔

[1] ترجمہ: جنت میں وہی داخل ہوگا جو یہودی ہوگا یا نصرانی ہوگا۔ ۱۲

جو لوگ مذہبی جذبات کو پاؤں تلے روند کر دنیا میں رہنا چاہتے ہوں، وہ ہرگز عزت کے قابل نہیں، اللہ تعالےٰ ان کے اعمال کو نہایت باریک نظر سے دیکھ رہا ہے، ان کو ضرور ذلیل کر کے غیروں کا محکوم بنا دے گا۔[۵۱]

قابلِ نفرت ہیں

(۹۷) قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ
عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى
وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ○ (۹۸) مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ
وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ
لِّلْكَافِرِينَ ○ (۹۹) وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ
وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ○

"کہدو جو جبریل کا دشمن ہوگا۔ سو اس نے تو اللہ کے حکم سے تیرے دل پر یہ کلام اُتارا ہے جو کلام اس کے سامنے ہے اس کو سچ بتاتا ہے اور مومنین کے لئے ہدایت و خوشخبری ہے، یا کوئی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور رسولوں کا، اور جبریل کا، اور میکائیل کا دشمن ہوگا، تو اللہ ان کافروں کا دشمن ہے، اور ہم نے تیری طرف واضح آیتیں اُتاریں اور بدکار ہی اُن سے منکر ہوں گے۔"

یہودی کفر و ضلالت کے انتہائی مراتب پر پہنچ چکے ہیں، ان کی ایک ایک غلطی واضح کر دی گئی ہے۔ آخر میں انھوں نے پابندیِ توراۃ کا دعویٰ کیا، مگر جھوٹے ثابت ہوئے اور اُنھیں تسلیم کرنا پڑا کہ بغیر کسی جدید وحی والہام کے ان کی اصلاح نہ ہوگی، اِس لئے انھوں نے یہ دریافت کرنا شروع کیا کہ آپ کے پاس وحی کون لاتا ہے؟ آپ نے فرمایا جبرئیلؑ۔ انھوں نے جواب دیا کہ وہ تو ہمارا قومی دشمن ہے۔ جب کبھی ہم پر کوئی بلا نازل ہوئی، اُسی کے ذریعہ سے ہوئی۔ اگر کوئی دوسرا فرشتہ وحی لاتا تو ہم آپ کو نبی تسلیم کر لیتے۔ اِس کے جواب میں ان سے کہا گیا کہ وہ اللہ کے حکم سے نازل ہوتا ہے۔ اِس تعلیم سے تمھاری کتابوں کی تصدیق ہوتی ہے اور اربابِ ایمان و اخلاص کے لئے ہدایت و بشارت ہے

تمھیں جبرئیلؑ سے عداوت اِس لئے ہے کہ اُس نے تمھیں منصبِ نبوت سے محروم کر دیا اور بنی اسماعیل کو مکالمۂ الٰہی کے لئے منتخب کیا۔ اسی لئے تم رسول اللہ صلعم سے دشمنی کا اظہار کرتے ہو۔ مگر یاد رکھئے کہ جو آپ کا دشمن ہے، وہ اللہ اس کے ملائکہ اور تمام رسولوں کی دشمنی اپنے سر لیتا ہے۔ اس آیت میں میکائیل کا نام خاص طور سے ذکر کیا گیا، کیونکہ وہ لوگ اس کو اپنا دوست خیال کرتے تھے، "اور اس وقت میکائیل وہ بڑا سردار جو تیری قوم کے فرزندوں کی حمایت کے لئے کھڑا ہے" (دانی ایل ۱۲:۱) اب اس سے بھی دوستی کی توقع نہ رکھو کیونکہ وہ اس وقت رسول اللہ کا ساتھ دے گا۔

---

۵۱ گزشتہ آیات میں علمائے یہود کی حسب ذیل خرابیاں ذکر کی گئی ہیں:

(الف) اپنی کتاب پر عمل کرنے کے دعویدار ہیں۔ مگر اُن کا یہ دعوے بھی غلط ہے۔

(ب) ان کا نصب العین اور مقصدِ حیات جمع مال و دولت ہے۔

(ج) خدا کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے ہیں، مگر اُس کے لئے قربانی نہیں کر سکتے۔

(د) مذہبی جذبات کو پامال کر کے زندہ رہنا چاہتے ہیں۔

قصص القرآن

یوسف علیہ السلام

(۳)

(محمد احمد)

یوسفِ زندانی

حضرت یوسفؑ قید خانے میں تو داخل ہوئے مگر اس شان سے نہیں، جس شان سے کوئی قاتل مجرم یا چور داخل ہوتا ہے۔ بلکہ زندان میں اُن کی آمد ایک مظلوم کی حیثیت سے ہوئی، جس کے ساتھ فیصلۂ عدالت میں انصاف سے کام نہ لیا گیا ہو اور وہ آسمانی انصاف کی امید میں اپنے آپ کو حکومت کے حوالے کر دے۔

وہ قید خانے میں آئے تو ان کا ضمیر مطمئن، خیالات پرسکون اور دل ٹھنڈا تھا۔ زندان اور اُس کی تاریکیاں اور ہتھکڑیاں و بیڑیاں اس فتنے کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی تھیں، جو ان کے گرد برپا کر دیا گیا تھا۔ ان پر حملے کے لئے جو جال پھیلایا گیا تھا اس کی کڑیاں کتنی مضبوط اور حوصلہ فرسا تھیں۔ اِن حالات کی اہمیت اور شدت کو دیکھئے تو قید خانہ وسیلۂ نجات سے کم نہ تھا جس نے اُن تمام خرابیوں سے رہائی کی صورت پیدا کر دی، جو اُن کے دین اور اخلاق اور عفت و پاک دامانی میں رخنہ ڈالنے کے لئے مہیا کی گئی تھیں۔ اگر یوسف علیہ السلام قید کر لئے گئے یا اُنھیں چلنے پھرنے سے منع کر دیا گیا تو اس سے حضرت یوسفؑ کو کیا نقصان پہنچا۔ کیا انھیں زندان میں خطاکاروں، ظالموں، سرکشوں اور مجرموں کی قوم سے واسطہ پڑنے والا تھا؟ کیا یہ ان کے لئے بہتر نہ تھا کہ ایسے گمراہ لوگوں میں ایک صلاح کار اور امانت دار معلم و ناصح کی حیثیت اختیار کریں؟ ہو سکتا ہے کہ ان میں جو ظلم کی خرابی جڑ پکڑے ہوئے ہے، اُسے دُور کریں۔ اُن کے سینوں سے شر و فساد کے جذبات نکال پھینکیں اور اس طرح انسانیت کو اُس کی بعض آلائشوں سے پاک کر دیں۔ تاکہ مجرموں کے جس بوجھ سے انسانیت دبی جا رہی ہے وہ کسی حد تک ہلکا ہو جائے۔

کیا ان ظالموں کے ساتھ ہی، قید خانہ میں مظلوم اور بھولے بھالے مسکین لوگ موجود نہ ہوں گے؟ ضرور ہوں گے اور ایسی حالت میں حضرت یوسفؑ کو ان کی غم خواری کرنے اور اُن کے دکھ درد میں شریک ہونے کا بڑا اچھا موقع میسر تھا۔ اِس بات سے ان کا شریف و پاکیزہ نفس بہت مطمئن ہوا ہوگا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اُن سے نبوت کا وعدہ کیا تھا، رسالت سے مشرف کرنے کی امید دلائی تھی، اِس درجہ سے بڑھ کر کونسا درجہ ہو سکتا تھا اور کونسی قدر و منزلت ایسی تھی، جو مرتبۂ نبوت سے زیادہ قدر کی مستحق ہو سکتی تھی؟ اِس تمام شرف و اعزاز کے مقابلہ میں زندان اور سزا کی کیا حقیقت تھی، جس کا کچھ خیال کیا جاتا۔

قید خانے کے رفقاء

قید کا زمانہ بڑھتا گیا۔ حضرت یوسفؑ زندان میں خاصی مدت تک رہے۔ اِس دوران میں وہ مریضوں کی عیادت کرتے، ضعیفوں کا غم کھاتے ظالموں اور سنگدلوں کو نصیحت کرتے اور ہر صبح ان لوگوں کو اپنے علم و فضل کا فیض پہنچاتے۔ ان سب باتوں کا اتنا اثر ہوا کہ قیدی ان سے محبت کرنے لگے، ان کے دل میں حضرت یوسفؑ نے ایک خاص جگہ

پیدا کرلی۔ یہ سب حضرت یوسفؑ کی بدولت ایک خاص قسم کی راحت اور اطمینان سے بہرہ مند رہتے اور اُن کا دل ان کی وجہ سے بڑا سکون محسوس کرتا۔

بادشاہ کے دو درباری

حضرت یوسفؑ کے ساتھ جو لوگ قید کئے گئے تھے ان میں بادشاہ کے درباریوں میں سے دو نوجوان بھی تھے۔ ایک بادشاہ کا ساقی اور دوسرا اس کا مہتمم باورچی خانہ۔ یوسفؑ کی طرح ان دونو نے بھی قید و بند کا مزہ چکھا اور قید خانہ میں زندگی گزارنے لگے۔ ایک دن دونوں نے ایک خواب دیکھا، جس کی وجہ سے یہ دونوں فکر میں مبتلا ہو گئے اور سکون و اطمینان کھو بیٹھے، انھوں نے عجلت کے ساتھ حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچکر اُن سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی۔

ساقی کا خواب

ساقی نے کہا: "میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے میں ایک انگور کے باغ میں ہوں، جس پر چھت پڑی ہوئی ہے۔ باغ ہرا بھرا اور رونق دار ہے۔ میرے ہاتھ میں بادشاہ کو شراب پلانے کا پیالہ ہے اور میں اس جام میں انگور کے خوشے نچوڑ رہا ہوں"

مہتمم باورچی خانہ کا خواب

مہتمم باورچی خانہ نے کہا: "میں نے دیکھا کہ میں اپنے سر پر ٹوکریاں اُٹھائے ہوئے ہوں، جن میں طرح طرح کی روٹیاں اور کھانے رکھے ہیں، پرندوں کا ایک جھنڈ اُن پر چھایا ہوا ہے اور اُن میں سے کھانے اُچک اُچک کر ایک بلند مکان کی طرف لے جا رہا ہے۔"

کیا اے یوسفؑ! تم اپنے علم و فضل کی برکت سے ہمارے اس خواب کی تعبیر بیان کر دوگے؟

حضرت یوسفؑ کی رسالت سے سرفرازی

اِن دونوں جوانوں کے حضرت یوسفؑ کے پاس التجا لانے سے پہلے اللہ تعالیٰ یوسفؑ کو پیغمبری عطا کر چکا تھا۔ اس نے ان سے جو وعدہ فرمایا تھا پورا کر دیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ بھی اِس بوجھ کو اُٹھائیں، جو اُن سے پہلے اُن کے باپ حضرت یعقوبؑ اُٹھا چکے ہیں۔ یعنی لوگوں کو توحید کی دعوت دیں اور ان کے دلوں میں ایمان کی مشعل روشن کریں۔"

اُن کی دعوت کی کامیابی اور فلاح سے ہمکنار ہونے کے آثار ظاہر تھے۔ وہ ایسے فقرا کی قوم میں تھے، جن کے نفوس کو فقر نے پاک کر دیا تھا۔ ایسے مظلوموں میں سے تھے جو ایمان کی طرف نظریں اُٹھائے ہوئے تھے۔ یہی لوگ اِس دعوت کو سمجھنے میں سب سے زیادہ قریب تھے اور ہدایت و رہبری قبول کرنے کی استعداد بھی ان میں سب سے زیادہ تھی۔

ابھی حضرت یوسفؑ اس دعوت کی تیاری ہی کر رہے تھے اور اپنے آپ کو کلمۂ توحید کے اعلان کے لئے آمادہ بنا رہے تھے، کہ اتنے میں یہ دونوں جوان ان کے پاس آئے۔

راہِ تبلیغ کی ہمواری

یوسف علیہ السلام نے اِس موقع کو تبلیغ کی راہ ہموار کرنے کے لئے بہت موزوں جانا اس لئے ان لوگوں سے کہا، "اے قوم! تم جن بتوں کو پوجتے اور جن معبودوں کا تقرب حاصل کرتے ہو ان کے علاوہ ایک معبود یا خدا ایسا ہے جس نے میرے پاس یہ وحی بھیجی ہے کہ میں تھیں اُس خدا کی راہ دکھاؤں۔ تم اُسے چھوڑ کر سورج یا بچھڑے کی تصویر یا مورت یا بُت کی پرستش کرتے ہو، تو یہ ان ناموں کے سوا اور کچھ نہیں، جو تم نے یا تمھارے باپ دادا نے

رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے کوئی دلیل نہیں اُتاری تھیں ان چیزوں کی عبادت پر کوئی دلیل یا کوئی ثبوت آمادہ نہیں کرتا۔ تمھارا یہ رویہ بالکل بے دلیل ہے اور اگر تم میری سچائی کی دلیل تلاش کرو یا میرے دعوے کے صحیح ہونے کا ثبوت چاہو، تو اِن جوانوں کے خوابوں کی تعبیر تمھارے سامنے بیان کر دیتا ہوں۔

دونوں خوابوں کی تعبیر

اِن میں سے ایک تو عنقریب قید خانہ سے نکلے گا اور اپنی سابقہ خدمت یعنی بادشاہ کی ساقی گری پر پھر بحال ہو جائے گا اور بادشاہ اور اُس کے مصاحبوں کے درمیان کھڑا ہوا کرے گا۔ رہا دوسرا تو اُسے عنقریب سُولی دیجائے گی اور پرندے اُس کے سر میں سے گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے، میں نے یہ تعبیر غیب کی وحی سے جانی ہے۔ علمِ نجوم یا علمِ غیب گوئی یا اسی سے ملتے جلتے فنون کے ذریعہ اس کا علم حاصل نہیں کیا ہے۔ یہ تعبیر ان چیزوں میں سے ہے جو مجھے میرے رب نے سکھائی ہیں۔ سن لو کہ میں نے ان لوگوں کی ملت کو چھوڑ دیا ہے، جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے، اور آخرت سے انکار کرتے ہیں“

ساقی کو ہدایت

یوسف علیہ السلام کو اپنی تعبیر صحیح ہونے کا علم تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اُن کی پیشین گوئی سچی ہو کر رہے گی، اُنھیں ساقی کے نجات پانے اور سزا سے معافی ملنے کی امید کا حال وحی سے معلوم ہو گیا تھا۔ اِس لئے ساقی سے کہا؛

”اے شخص جب تم قید خانہ چھوڑ کر بادشاہ کے محل میں اپنی جگہ پہنچنا تو بادشاہ کو یاد دلانا کہ ایک مظلوم قید خانہ میں ہے اس پر بغیر کسی جرم کے اتہام لگایا گیا ہے اور وہ قید و بند کی مشقت اُٹھا رہا ہے“

تعبیر کی تصدیق

یوسف علیہ السلام کی تعبیر درست ثابت ہوئی، ان میں سے ایک شخص نے رہائی پائی اور دوسرا سُولی پر چڑھایا گیا۔ پہلا یعنی ساقی جیسے ہی اپنے بادشاہ کے پاس واپس ہوا اور لوگوں کی سی پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا۔ شیطان نے یہ بات اُس کے دل سے بھلا دی کہ وہ اپنے آقا کو یوسفؑ کی بات یاد دلائے۔ اِس وجہ سے حضرت یوسفؑ مزید کئی برس قید خانے ہی میں رہے۔

بادشاہ کا پریشان کن خواب

ایک رات بادشاہ نے خواب دیکھا، جس کی اہمیت کے خیال نے اُسے بیقرار کر دیا۔ اُس نے دربار کے علماء اور شرفائے قوم کو بُلا کر خواب کا واقعہ بیان کیا۔

اُس نے کہا: ”میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں، جنھیں سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات بالیاں سبز ہیں اور دوسری سات خشک ہیں“ بتاؤ اِس خواب کی کیا تعبیر ہے!

یہ سب لوگ خواب کی تعبیر دینے سے عاجز رہے، اُن سے اس کا کوئی مطلب بیان نہ کیا جا سکا۔ سب نے جواب میں یہی کہا ”یہ تو محض خیالات اور اوہام ہیں، ہم ایسے پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے“۔

ساقی کو حضرت یوسف کا خیال

لیکن اِس خواب نے ایک بھولنے والے کو اُس کی بھولی ہوئی بات یاد دلا دی۔ وہ غفلت سے چونک پڑا، اور اُسے بہت سی

دُور دُور کی باتیں اور گزشتہ زمانے کے واقعات یاد آ گئے۔ یہ بادشاہ کا وہی ساقی تھا جس کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے، اس نے بادشاہ سے جیسے ہی اِس خواب کا حال سُنا اور تعبیرِ خواب کی نسبت بادشاہ کی رغبت محسوس کی، اُسے حضرت یوسفؑ جیسے زندانی یاد آ گئے۔ کیونکہ انھوں نے اس کے خواب کی تعبیر دی تھی جو سچی نکلی۔ اسی کے بعد سے اس کی زندگی آسائش اور ناز و نعمت کے ساتھ گزر رہی تھی حضرت یوسفؑ کا خیال آتے ہی اُس نے بادشاہ سے کہا:

ساقی کا مشورہ

"بادشاہ سلامت! قید خانہ میں ایک بڑا شریف نوجوان ہے جس کی فکر بالکل درست ہے اور رائے اِتنی صحیح ہے جیسے خدا کی طرف سے اُسے الہام ہوتا ہو۔ وہ اپنی عقل کے نور سے غیب کی پوشیدہ باتیں معلوم کر لیتا ہے۔ روشن تدبیر کی مدد سے مشکل سے مشکل گتھی کو سُلجھا دیتا ہے، اگر اُس کے سامنے خواب بیان کیا جائے تو اُس پر ہر پہلو سے غور کرتا ہے اور خوب سوچ سمجھ کر نہایت درست اور سچی تعبیر دیتا ہے۔ اگر آپ مجھے اُس کے پاس بھیجیں، تو میں ضرور آپ کے پاس یقینی خبر لے کر آؤں گا۔"

ساقی حضرت یوسفؑ کے پاس

ساقی بادشاہ کا ایما پا کر قید خانہ پہنچا، جہاں حضرت یوسفؑ بپُرآلام زمانہ گزار رہے تھے۔ وہ انھیں جیسا صابر و ضابط قید خانے سے جاتے وقت چھوڑ گیا تھا، ویسا ہی اب پایا۔ حضرت یوسفؑ کمال سکون و اطمینان، وقار و سنجیدگی اور ایقان و ایمان کا پیکر بنے ہوئے تھے۔ ساقی نے اُن سے کہا:

"اے سچے یوسف! میں تمہارے پاس ایک ایسی بات لے کر آیا ہوں، جس کے نتیجے میں مجھے امید ہے کہ تمہیں اس تکلیف اور تنگی سے رہائی مِل جائے گی۔ تم ذرا ہم سے سات موٹی گایوں کا مطلب بیان کرو، جنھیں سات دُبلی گائیں کھا رہی ہوں، اور سات ہری بالیوں اور سات سُوکھی بالیوں کی تعبیر دو۔ شاید تم ان لوگوں کی تشفی کا ذریعہ بن جاؤ گے، جو تعبیرِ خواب کے پیاسے ہیں، اور ایسے لوگوں کے دل میں کھٹکنے والے سوالات کا خاطر خواہ جواب دے سکو گے۔ مجھے اُمید ہے کہ اِس کے بعد قوم تمہارے وسیع علم و فضل سے اچھی طرح واقف ہو جائے گی۔"

یوسفؑ کی موقع شناسی

یوسفؑ صرف یہی نہ تھا کہ تعبیرِ خواب کے عالم ہوں، بلکہ وہ رسول اور مُصلح بھی تھے، اللہ نے دنیا و آخرت میں لوگوں کی ہدایت کے لئے انھیں رسالت سے مشرف کیا تھا، تاکہ وہ اُن کی معاش و معاد سے متعلق رہبری کا فرض انجام دیں۔ اِس لئے یوسف علیہ السلام کو اس رسالت کے انجام دینے کا جو موقع بھی میسر آتا اور اپنی تبلیغ کے لئے جو صورت بھی موزوں نظر آتی، یہ ضرور اُس سے فائدہ اُٹھاتے۔ چند سال پہلے جب دو درباری نوجوانوں نے اُن سے خواب کی تعبیر پوچھی، تو انھوں نے اس موقع کو کلمۂ توحید کے اعلان کے لئے بہت بہتر سمجھا۔ توحید کا اعلان کیا، بُتوں کی پرستش کی مذمت کی اور اُن کا مذاق اُڑایا۔ اب جو بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر دریافت کرائی تو اس کے جواب میں صرف تعبیر ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ تعبیر میں اپنی رائے بھی شامل کر دی اور قوم کی نصیحت کا فرض بھی ادا کر دیا۔

حضرت یوسفؑ کا جواب

انھوں نے ساقی سے کہا:

"تم کو پہلے سات برس ایسے ملیں گے، جو انتہائی سرسبزی

وشادابی کے ہوں گے، اُن میں ہر طرف عیش وخوش حالی کا دَور دورہ ہوگا، تمھارے کھیت ہرے بھرے رہیں گے، غلوں کی پیداوار بڑھے گی، زندگی خوش گوار ہوگی۔ اِس مدت کے گزرنے پر سات برس بڑی شدت اور تنگی کے آئیں گے، جن میں تم بھلائی کی امیدیں کھو بیٹھو گے زمانہ تمھیں ایسے بادل دکھائے گا جن میں بارش نام کو نہ ہوگی، دھوکا دینے والی بجلی چمکے گی، دریائے نیل پیچھے ہٹ جائے گا۔ اور اپنا مقررہ دستور پورا نہ کرے گا۔ وہ تمھیں پیداوار کا جو حصہ دیا کرتا ہے ان برسوں میں نہ دے گا۔ زمین کے چہرے پر بَل پڑجائیں گے۔ وہ اپنا چھپا ہوا مال تمھارے لئے نہ بکھیرے گی۔ پھر تم زمین پر کوئی فصل باقی نہ پاؤ گے جو کاٹی جائے نہ غلہ جو ذخیرہ کیا جاسکے تمھیں اپنے زمانے میں کھلی ہوئی مصیبت اور زبردست حادثے کا نشانہ بننا پڑے گا اِس کے بعد زمانہ تم سے موافقت کرے گا، بھلے دن آئیں گے، خوراک کی حالت بہت اچھی ہو جائے گی، اُلجھی ہوئی گتھیاں سُلجھ جائیں گی سرسبزی کا سال آئے گا جس میں تمھاری شدت رفع ہوگی اور معاملات میں جو خرابیاں پیدا ہوچکی ہوں گی، تم انھیں ٹھیک کرلو گے، زمین تم کو جو اور گیہوں کثرت سے دے گی، تم کھاؤ گے۔ کثم، زیتون اور تِل دے گی، جنھیں نچوڑو گے اور اُن سے سالن پکاؤ گے"

"یہ ہے اِس خواب کی تعبیر، جو میں نے اپنے پروردگار کی وحی سے حاصل کی ہے۔ چونکہ مجھے جس بات کی خبر دی گئی ہے وہ لامحالہ واقع ہوگی، اِس لئے میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ جو غلہ تم نے سرسبزی کے سالوں میں کاٹا ہے اُسے اپنے کھلیانوں اور گھروں میں ذخیرہ کرلو، اِس طرح کہ اناج بالیوں کے اندر محفوظ، صاف اور اچھی حالت میں رہے اس میں سے صرف اپنی ضرورت بھر خرچ کرو، جس سے تمھاری زندگی محفوظ رہے باقی کو بچاؤ تاکہ بعد والے خشکی کے سات برسوں کی پریشانیوں سے بچ سکو۔

بادشاہ کا بلاوا

جب خواب کی یہ تعبیر بادشاہ کو پہنچی، اور اُس نے حضرت یوسفؑ کی نصیحت اور تدبیر کی خوبیاں اپنے دل میں محسوس کیں، تو وہ سمجھ گیا کہ اِس تعبیر کی آڑ میں ایک بڑی مضبوط عقل اور الہامی فکر کام کر رہی ہے، اِس لئے اُس نے حضرت یوسفؑ کو بلا بھیجا، تاکہ اُن کی بصیرت کی گہرائی کو ٹٹولے، اس سے فائدہ اُٹھا کر اپنے مقصد کو پہنچے اور ان کے علم و رائے سے استفادہ کرے۔

بادشاہ کا قاصد حضرت یوسفؑ کے پاس آیا اور اس نے انھیں پکار کر کہا:

"تمھیں بادشاہ نے اپنے پاس بلایا ہے۔ وہ اپنے دربار میں طلب کر رہے ہیں کیونکہ انھوں نے تمھاری تعبیر کے ذریعہ تمھارے گہرے علم وفضل کا اور تمھاری نصیحت سے تمھاری پختہ رائے کا اچھی طرح اندازہ لگا لیا ہے۔ وہ وقت قریب ہے کہ اب تمھاری قدر ومنزلت بلند ہو اور عروج کا زمانہ اپنی بہار دکھائے"

حضرت یوسفؑ کا وقار اور حلم واستقلال

حضرت یوسفؑ ایک عالی مرتبہ وبرگزیدہ پیغمبر تھے۔ انھیں اُن کے ربّ نے سکھا دیا تھا کہ ایسے موقع پر کیسے صبر وحلم سے کام لیا جاتا ہے۔ اُنھوں نے بادشاہ کے قاصد کی پہلی بات قبول نہیں کی، یہ نہیں کیا کہ بادشاہ کی طلبی کا ذکر سنتے ہی خوش ہوکر چل کھڑے ہوتے حالانکہ حقیقتہً انھیں قید سے رہائی کی سخت حاجت تھی۔ ایک مدت سے قید خانہ کی وحشت، اس کی تاریکیاں اور صدمات وآلام انھیں گھیرے ہوئے تھے، کئی سال اسی طرح گزر چکے تھے کہ انھوں نے طلوع ہونے والا سورج، جگمگانے والا چاند اور درخشاں ستارے

نہیں دیکھے تھے۔ وہ برسوں سے تروتازہ گھاس اور سرسبز وشاداب کھیتوں کے نظارے سے محروم تھے۔ انھوں نے قید کے ان دنوں میں سوائے رُوکھے پھیکے کھانوں اور خالی سُوکھی روٹیوں کے کچھ نہیں کھایا تھا اور گدلے پانی کے سوا کوئی چیز پینے کو نصیب نہ ہوئی تھی، نہ ان کے پیروں کو ایک دن بھی بھاری بیڑیوں سے رہائی ملی نہ ہاتھوں کو ہتھکڑیوں سے۔ راتوں کو کنکریلے فرش اور پتھریلے تکیے سے سابقہ پڑتا اور تکلیف کی حالت میں سوتے، مگر انھوں نے یہ جتنی مصیبتیں اُٹھائیں ایک مظلوم کی حیثیت سے اُٹھائیں۔ یہ سزا انھیں صرف اس لئے ملی کہ وہ ایمان، پاک دامانی اور عفت و پرہیزگاری کی صفات سے آراستہ تھے اور اُن کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا، کہ انھوں نے گناہ کی راہ پر گامزن ہونے سے انکار کر دیا تھا۔

حضرت یوسفؑ نے یہ پسند نہ کیا کہ اُن پر معافی کا احسان رکھ کر قید سے رہائی دی جائے یا اس سلسلے میں انھیں ممنون بنایا جائے انھوں نے قاصد سے کہا "بادشاہ کے پاس واپس جاؤ اور پہلے اُن سے پوچھو کہ ان عورتوں کا حال دریافت کریں، جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور اُن کے جرم میں مجھے پکڑا گیا۔ تاکہ میرے قید خانہ چھوڑنے سے پہلے میرا حقیقی حال ظاہر ہو جائے اور معاف کرنے کے فیصلے سے قبل اصل واقعہ لوگوں کو معلوم ہو سکے۔"

اس جواب سے بادشاہ کی نظر میں حضرت یوسفؑ کے معاملے کی اہمیت بڑھ گئی۔ ذہن و خیال میں عورتوں کے ذکر نے ہلچل سی پیدا کر دی، اس واقعہ کی تمام صورتیں نگاہوں کے سامنے پھر گئیں، اُسے اس بات کا گمان تک نہ تھا کہ یہاں تک نوبت پہنچے گی، اور وہی نوجوان جس پر کوئی توجہ نہ کی جاتی تھی، اپنے اس علم و فضل اور دانائی کی بدولت جو خوب ظاہر ہو چکی ہے، آج اُسے اپنی طرف بلائے گا لیکن اُس نے سوچا کہ موقع اچھا آگیا ہے اور اس سلسلے میں جو بہت سی باتیں پوشیدہ تھیں، اب واضح ہو جائیں گی۔

زنانِ مصر کی طلبی اور ان کا بیان

چنانچہ اس نے مصر کی انھیں عورتوں کو جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، اپنے سامنے طلب کیا اور ان سے پوچھا "جب تم نے یوسفؑ کو گناہ کی ترغیب دی تھی اُس وقت تمھیں کیا ہوا تھا؟"

اُس وقت انکار کی کوئی صورت ان عورتوں کے بنائے نہ بنی۔ نہ جھوٹی بات اُن کی زبان پر آسکی۔ اِس کے برخلاف انھوں نے بالکل حق بات وضاحت کے ساتھ کہہ دی، اور بادشاہ کو جواب دیا "ہم خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتے ہیں، ہم کو یوسفؑ کے متعلق کوئی بُری بات معلوم نہیں ہوئی، ہم نے انھیں پاکباز، صاف ستھرا، بے لوث اور امانت دار نوجوان پایا۔ وہ ایسے شخص ہیں، جن کی ذات پر کوئی تہمت نہیں لگائی جاسکتی نہ اُن کی پاکدامنی پر حرف لایا جاسکتا ہے۔"

عزیز کی بیوی اب خاصی عمر کو پہنچ چکی تھی، اُس نے اِس موقع پر کہا "اب سچی بات کھل گئی ہے، در اصل میں نے ہی یوسفؑ کو گناہ کی رغبت دلائی، عشق کی وجہ سے اُن کا ہاتھ پکڑا، وہ ایک خوب رُو، حسین اور آب و تاب والا خوش شکل نوجوان تھا، مجھ سے قریب رہا کرتا تھا، اس کی شکل ہمیشہ میری نگاہوں کے سامنے پھرتی تھی، ان وجوہ سے وہ میرے دل میں سما گیا اور میں اس کی محبت میں اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکی، میں نے اُسے دعوت دی مگر اُس نے انکار کیا، میں نے بلایا وہ رُک گیا۔ وہ اپنے آقا کا پاسبان اور میرے شوہر کا وفادار تھا۔ اب میں آپ کو بتلائے دیتی ہوں کہ میں نے جتنے لوگوں کو دیکھا ہے، اس شخص کو سب سے زیادہ پاکیزہ

نفس والا اور روشن دل پایا ہے۔ اُس نے قید خانے میں جو جو اذیتیں اور مصیبتیں اُٹھائی ہیں، سب مظلوم اور بے گناہ ہونے کی حالت میں اُٹھائی ہیں۔"

"واقعہ یہ ہے کہ قید میں اسے میں نے ڈلوایا اور اس عذاب میں مُبتلا کیا۔ میں روزِ روشن میں بادشاہ کے سامنے اور بادشاہ کے حلقہ بگوشوں کی موجودگی میں کھُلے بندوں اعتراف کرتی ہوں تاکہ یوسفؑ جو اب قید میں ہے جان لے کہ میں نے اس پر عیب نہیں لگایا اور نہ قید ہونے کے دن سے فیصلے کی اِس گھڑی تک اس پر کوئی بہتان باندھا میں ان عورتوں کے سامنے پہلے ہی کھُلکر بیان کر چکی ہوں کہ میں نے ہی یوسفؑ کو گناہ کی ترغیب دی تھی مگر وہ پاک دامن رہا، اور اب بھی اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے ہی یوسفؑ کو اپنے لئے دعوت دی تھی، اور اُس نے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔"

عزیز کی بیوی کی یہ شہادت حضرت یوسفؑ کے گناہوں سے بالکل بری ہونے کا ثبوت بن گئی۔ اور یہ بات صاف ہو گئی کہ یوسفؑ الزاموں اور عیبوں سے پاک ہیں۔ ادھر ساقی قید خانے میں حضرت یوسفؑ کے اخلاق و کردار کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ وہ ان میں صبر کے ساتھ حلم و بردباری اور علم کے ساتھ انکسار و تواضع کی صفات کا مظاہرہ دیکھ چکا تھا۔ اُس نے حضرت یوسفؑ کے جو چشم دید حالات بیان کئے، ان سے حضرت یوسفؑ کی پاکبازی اور بلند کرداری کے ثبوت کی اور تائید ہوئی۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے خود بھی یہ دیکھ لیا کہ یوسفؑ خواب کی تعبیر کتنی اچھی دیتے ہیں، اور حسنِ تدبیر و اصابتِ رائے میں کتنا بلند مقام رکھتے ہیں، ساتھ ہی ان کے اس وقار اور عزتِ نفس کا بھی مشاہدہ کیا، جس کا اظہار حضرت یوسفؑ نے بادشاہ کے قید خانہ سے بلاتے وقت کیا تھا اور یہ کہدیا تھا کہ جب تک میری برأت ثابت نہ ہو جائے، قید خانہ سے نہ نکلوں گا

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ۝ (یہ سب اہتمام محض اس وجہ سے ہے تاکہ عزیز کو یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ میں نے اُس کی عدم موجودگی میں اُس کی آبرو میں دست اندازی نہیں کی۔ اور یہ کہ اللہ تعالےٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا)

شریفانہ اخلاق کی کشش

ان تمام شریفانہ اخلاق و عادات نے بادشاہ کے دل میں اِس بات کی سچی خواہش پیدا کر دی کہ وہ حضرت یوسفؑ کو اپنا مقرب بنالے، تاکہ وہ اُس کے مصاحبوں اور ملازموں میں سب سے اونچے مقام پر فائز ہوں، اور ان لوگوں کے سردار بنیں۔ بہرحال بادشاہ کی مثال ایک بازار کی سی ہے، جس میں ہر کھری اور چلتی ہوئی چیز رواج پا جاتی ہے۔ یوسفؑ میں جو خوبیاں تھیں، بادشاہ پر اثر کئے بغیر کیسے رہ سکتی تھیں؟

(بقیہ مضمون صفحہ ۲ سے)

نے آکر ہم کو خدا کے احکام پہنچا دیئے اور اب وہ کتابی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں، ہر امیر غریب، جاہل عالم اور خاص و عام ان سے واقف ہیں لیکن پھر بھی وہ سرکشی پر تلا ہوا ہے، نہ خدا کا خوف ہے نہ جہنم کا ڈر، نہ آخرت کا خیال ہے نہ عاقبت کی فکر، نشۂ دنیاوی میں مست ان جاں گسل واقعات و حوادث سے بے اعتنائی برتتے ہوئے ہے۔

اب بھی وقت ہے کہ ہم سنبھلیں اور حالات کا جائزہ لیکر اپنی اصلاح و درستی کی طرف متوجہ ہوں، اپنے ایمان سوز اعمال سے تائب ہوں اور انسانیت سوز افعال سے باز آئیں۔ پھر ممکن ہے کہ ہماری حالت بہتر ہو سکے اور خدا کو منہ دکھانے کے قابل ہو جائیں۔

(ادارہ)

جواہر حدیث

(ادارہ)

ایمان کے درجات

طُوبیٰ لِمَنْ رَآنِی وَآمَنَ بِی مَرَّۃً، وَطُوبیٰ لِمَنْ لَمْ یَرَنِی وَآمَنَ بِی سَبْعَ مَرَّاتٍ۔ (مسند احمد، صحیح ابن حبان۔ مستدرک حاکم)

(۱) خوش خبری ہو اُن لوگوں کے لئے جنھوں نے مجھے دیکھا اور میرے اوپر ایک مرتبہ ایمان لائے، اور خوش خبری ہو ان لوگوں کے لئے جنھوں نے مجھے نہیں دیکھا اور میرے اوپر سات مرتبہ ایمان لائے (یعنی ایمان کامل غیر متزلزل لائے)۔

قابلِ مُبارک باد لوگ

طُوبیٰ لِمَنْ شَغَلَہٗ عَیْبُہٗ عَنْ عُیُوْبِ النَّاسِ، وَاَنْفَقَ الْفَضْلَ مِنْ مَالِہٖ، وَاَمْسَکَ الْفَضْلَ مِنْ قَوْلِہٖ، وَوَسِعَتْہُ السُّنَّۃُ، وَلَمْ یَعْدُ عَنْھَا اِلَی الْبِدْعَۃِ۔ (مسند فردوس للدیلمی)

(۲) خوش خبری ہے اُن لوگوں کے لئے جنھوں نے دوسروں کے عیوب سے چشم پوشی کی اور اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کیا، اور اپنی بڑائی کا اظہار نہیں کیا، اور سنت پر عامل رہے اور بدعت سے احتراز کیا۔

شاکر کا درجہ

اَلطَّاعِمُ الشَّاکِرُ بِمَنْزِلَۃِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ۔ (مسند احمد۔ صحیح بخاری صحیح مسلم۔ ابن ماجہ)

(۳) خدا کے شکر کے ساتھ کھانے والا ایسا ہے، جیسے صبر سے روزہ رکھنے والا۔

شہادت کے درجات

اَلطَّعْنُ وَالطَّاعُوْنُ وَالْھَدَمُ وَاَکْلُ السَّبُعِ وَالْغَرَقُ وَالْحَرَقُ وَالْبَطْنُ وَذَاتُ الْجَنْبِ شَھَادَۃٌ۔ (ابن قانع عن ربیع)

(۴) نیزہ لگنے اور طاعون میں مبتلا ہونے اور مکان کے گر پڑنے اور درندے کے کھا لینے اور پانی میں ڈوب جانے اور آگ میں جل جانے اور پیٹ کے عارضہ سے اور نمونیہ ہونے سے موت واقع ہونا شہادت ہے۔

مسلمان نابینا

عَزِیْزٌ عَلَی اللّٰہِ تَعَالیٰ اَنْ یَّاْخُذَ کَرِیْمَتَیْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ ثُمَّ یُدْخِلَہُ النَّارَ۔ (مسند احمد۔ طبرانی فی الکبیر)

(۵) اللہ تعالے کے لئے یہ امر دشوار ہے (یعنی اُس کی شانِ ربوبیت کے منافی ہے) کہ وہ کسی مسلمان کی بینائی سلب فرمائے، اور پھر اُس کو دوزخ میں بھی داخل کر دے۔

شرم وحیا کی تعلیم

عَسٰی رَجُلٌ یُّحَدِّثُ بِمَا یَکُوْنُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اَھْلِہٖ اَوْ عَسَتِ امْرَاَۃٌ تُحَدِّثُ بِمَا یَکُوْنُ بَیْنَھَا وَبَیْنَ زَوْجِھَا، فَلَا تَفْعَلُوْا فَاِنَّ مِثْلَ ذٰلِکَ مَثَلُ شَیْطَانٍ لَقِیَ شَیْطَانَۃً فِی ظَھْرِ الطَّرِیْقِ فَغَشِیَھَا، وَالنَّاسُ یَنْظُرُوْنَ (طبرانی فی الکبیر)

(۶) عنقریب ایسے مرد پیدا ہوں گے جو اپنے اور بیوی کے نجی معاملات (جماع وغیرہ کی کیفیت) دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور اسی طرح عنقریب ایسی عورتیں پیدا ہوں گی جو اپنے اور شوہر کے معاملات دوسری عورتوں کے سامنے بیان کریں گی۔ لہٰذا میں تم کو خبردار کرتا ہوں، تم ہرگز ایسا مت کرنا اس لئے کہ ایسے مرد و عورت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شیطان کسی شیطانی سے بیچ بازار میں مجامعت کرتا ہو اور لوگ اس کو دیکھتے ہوں۔

(صفحہ ۴۸ کا بقایا مضمون)

یہ کہہ کر اُس کے دل سے ایک گہری آہ نکلی اور اس کے بعد اس نے خاموش ہو کر اپنا سر جھکا لیا۔

نجمہ نے جب اُس کی یہ حالت دیکھی تو اُس سے نہ رہا گیا، اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ——— اُس نے محسن کی یہ آخری باتیں بڑے غور سے سُنی تھیں، اُس کو یہ نہایت گراں گزرا کہ اس کا خاوند اُس کے رشتہ کو ناپسند کر رہا ہے۔ اُس کی ان باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ شاید اُس کو نجمہ کے ظاہری لباس سے دھوکہ ہوا تھا جو اُس نے اُسے "اپٹوڈیٹ" سمجھ کر شادی کے لئے پسند کیا۔ لیکن نجمہ نے تحمل و برداشت سے کام لیا، اور قسمت کے لکھے پر رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے بولی:

——— میں اِس وقت آپ کو ملامت نہیں کر رہی، نہ میں آپ کی باتوں کا گلہ کرتی ہوں مجھے تو صرف اپنی والدہ سے شکوہ ہے، اس لئے نہیں کہ انھوں نے دو متضاد ہستیوں کو یکجا کیا، کیونکہ ہر چیز خدا کی مرضی سے ہوتی ہے، بلکہ اس لئے کہ انھوں نے آپ کو حقیقتِ حال سے مطلع نہ کیا۔

پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی:

——— خدا انھیں معاف کرے، ان کا خیال تھا کہ آپ سے شادی ہونے کے بعد میں پھر دنیاوی زندگی کی طرف لوٹ آؤں گی۔

وہ نہایت غمگین آواز میں گفتگو کر رہی تھی، اس کے لہجہ سے ہمدردی اور غم و افسوس کے آثار نمایاں تھے، اُس کی سسکیاں اور گرم گرم سانس کسی کے نوحہ و ماتم کا منظر پیش کر رہے تھے۔

اُس کی یہ درد بھری باتیں سُن کر محسن کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، وہ محبت سے مغلوب ہو کر امید بھرے دل کے ساتھ اُس کے قریب ہوا اور معذرت کرتے ہوئے بولا:

——— نجمہ! .... تم میری زندگی کی مال و متاع ہو.... ....میں نے تم سے یہ باتیں صرف اِس لئے کہیں کہ تمھیں میرے دلی جذبات علم ہو جائے اور ہماری محبت و اُلفت پائیدار رہے، لیکن تمھارا یہ اصرار اور رات کو میرے ساتھ محفل میں نہ جانے کی ضد، یہ ہماری محبت کو برباد کر دے گی، اور میں ایسا قدم اُٹھانے پر مجبور ہو جاؤں گا، جس کا نتیجہ تمھارے لئے اچھا نہ ہو گا۔

رات نے اپنا سیاہ پردہ گرانا شروع کر دیا اور "محفلِ طرب" کا وقت قریب آ گیا، محسن نے پھر اس کو ساتھ چلنے پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ لیکن وہ بدستور انکار کرتی رہی۔ یہ کیفیت دیکھ کر وہ بھڑک اُٹھا ——— غصہ میں چیخا چلایا، اُسے ہر طرح ڈرایا دھمکایا۔ لیکن وہ کسی طرح نہ مانی، ——— وہ جھنجھلا کر کھڑا ہوا اور ہال میں چہل قدمی کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد شیطان نے اُس کے دل میں ایک اسکیم ڈالی، جس سے وہ بہت خوش ہوا، اور اب اُسے مصیبت سے چھٹکارا ملتا نظر آنے لگا ——— آج پہلی مرتبہ وہ بغیر کسی اپنے کام کے اپنی بیوی کو چھوڑ کر گھر سے باہر نکلا، اور غصہ کی حالت میں "محفلِ طرب" گیا۔ اس وقت اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی، اپنی شکست و ناکامی کے احساس سے اُس کا دماغ کھول رہا تھا، دل پریشان تھا، اعضا شل تھے، لیکن پھر بھی وہ پُر امید تھا۔ یہ اسکیم اُس کی ڈھارس باندھ رہی تھی۔

"نجمہ" کی اٹھارویں قسط ——— ماہِ نومبر کے "تذکرہ" میں ——— ملاحظہ فرمائیے

مشاہیرِ صحابہؓ

(۲۰) (ادارہ)

عتبان بن مالکؓ

آپ عتبان بن مالک انصاری خزرجی سالمی صحابی ہیں۔ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ اپنی قوم بنی سالم کے امام تھے۔ آپ نابینا ہو گئے تھے یا آپ کی بینائی میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ اس لئے آپ نے رسول اللہؐ سے استدعا کی تھی کہ ان کے گھر تشریف لا کر کسی جگہ نماز پڑھیں تاکہ اسی جگہ مصلّٰی بنا لیا جائے۔ چنانچہ رسول اکرمؐ حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے ہمراہ تشریف لے گئے اور ان کی بتائی ہوئی جگہ پر نماز ادا فرمائی اور آپ نے اس موقع پر رسول اللہؐ کی دعوت بھی کی۔ آپ کی وفات حضرت معاویہ کے دورِ خلافت میں کافی کبر سنی میں ہوئی۔

عتبہ بن غزوانؓ

آپ عتبہ بن غزوان مازنی جلیل القدر اور قدیم الاسلام صحابی ہیں اور ان دس آدمیوں میں سے ہیں جو اوائل اسلام میں سب سے پہلے ایمان لائے بلکہ ایک قول کے مطابق چھ مردوں کے بعد ساتویں اسلام لانے والے یہی ہیں پھر ہجرت کر کے حبشہ گئے وہاں سے مکّہ واپس ہو کر تمام صحابہ کے ساتھ ہجرتِ مدینہ میں شریک ہوئے پھر غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے حضرت عمرؓ نے آپ کو بھی عراق وعجم کی فتح کے لئے سپہ سالار مقرر فرمایا تھا چنانچہ آپ نے متعدد مقامات کو فتح فرمایا۔ آپ ہی نے اوّلاً بصرہ کو آباد کیا تھا اور وہاں بڑی مسجد تعمیر فرمائی پھر حج کرنے آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں اپنے عہدے سے استعفیٰ پیش کیا جس کو حضرت عمرؓ نے منظور نہ فرمایا۔ مجبوراً آپ واپس ہوئے اور دُعا کی کہ "یا اللہ! اب مجھکو بصرہ نہ دکھا" چنانچہ راستہ میں سواری سے گرے اور وفات پا گئے۔ یہ واقعہ ۱۵ھ یا ۱۷ھ میں مقام معدن بنی سلیم یا ربذہ میں پیش آیا۔ جبکہ آپ کی عمر ۵۷ سال تھی۔

عثمان بن حنیفؓ

آپ عثمان بن حنیف انصاری اوسی مشہور صحابی ہیں۔ غزوۂ اُحد اور اسکے بعد کے تمام غزوات میں شریک تھے حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کو عراق کی پیمائش کے لئے مقرر کیا تھا اور حضرت علیؓ نے آپ کو واقعہ جمل کے بعد بصرہ کا والی مقرر کیا تھا جہاں سے واقعہ جمل میں آپ کو حضرت طلحہ وحضرت زبیر کے ساتھیوں نے نکال دیا تھا۔ پھر آپ نے کوفہ میں سکونت اختیار کی اور حضرت معاویہ کے دورِ خلافت میں وفات پا گئے۔

عثمان بن طلحہؓ

آپ عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ قرشی عبدری حجبی صحابی ہیں فتح مکّہ سے قبل اور صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے۔ آپ اور حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص تینوں ایک ساتھ رسول اللہؐ کی خدمت میں ہجرت کر کے حاضر خدمت ہوئے۔ رسول اللہؐ نے ان تینوں کو دیکھکر صحابہ سے فرمایا کہ مکّہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہارے حوالے کر دیئے ہیں۔ آپ رسول اللہ کے ساتھ فتح مکّہ میں شریک تھے۔ رسول اللہؐ نے آپ کو اور آپ کے چچازاد بھائی شیبہ

بن عثمان بن ابی طلحہ کو خانہ کعبہ کی کنجی عطا فرمائی کہ تم کنجی لو اور ہمیشہ اسکے مالک رہو۔ یہ کنجی تم سے وہی لیگا جو ظالم ہوگا۔ چنانچہ شاہ ابن سعود کے زمانہ تک خانہ کعبہ کی کنجی شیبیوں ہی کے پاس رہی۔ شاہ ابن سعود نے یہ کنجی ان لوگوں سے چھین لی، اور ان میں سے اکثر کو شہید کرا دیا۔ مگر دوسرے سال ایک شخص کو جو اس خاندان میں سے باقی رہ گیا تھا کنجی حوالہ کر دی اور اب تک انہی کے پاس ہے۔ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد آپ مکہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں ۴۲ھ میں وفات پائی۔

عدی بن حاتم

آپ عدی بن حاتم بن عبد اللہ الطائی یعنی مشہور سخی حاتم طائی کے صاحبزادہ اور معروف صحابی ہیں۔ رسول اللہؐ کی خدمت میں ۷ھ یا ۹ھ میں حاضر ہوئے تھے۔ زمانہ ارتداد میں آپ نے اپنی قوم کو فتنہ ارتداد سے روکے رکھا اور اپنی قوم کا مال اور زکوٰۃ لے کر حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے جس سے صحابہ بہت خوش ہوئے۔ آپ اپنے نامور والد کی طرح نہایت سخی اور جواد اور اپنے قبیلہ میں بہت معزز و محترم تھے۔ رسول اللہؐ کے وصال کے بعد خلفاء کے زمانہ میں برابر جہاد میں مصروف رہے کوفہ میں رہنے لگے تھے۔ تمام مشہور لڑائیوں میں آپ موجود تھے۔ حضرت علی کے مشہور طرفداروں میں سے تھے۔ جنگ جمل و صفین میں حضرت علی کی طرف سے شریک رہے، ان لڑائیوں میں آپ کی ایک آنکھ پھوٹ گئی تھی۔ جنگ صفین میں آپ کا شمار افسران فوج میں تھا۔ آپ نے طویل عمر پائی یعنی ایک سو بیس کی عمر میں ۶۸ھ میں یا اسکے بعد وفات پائی۔ آپ کی سخاوت کے معتبر قصوں میں ایک قصہ یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ کسی ضرورت کے ماتحت اشعث بن قیس نے آپ سے حاتم کی دیگیں عاریتہً منگوائیں۔ آپ نے دیگوں کو (غلہ یا چاندی سے) بھر کر کے بھیج دیا۔ اشعث بن قیس کے پاس جب یہ دیگیں پہنچیں تو ان کو تعجب ہوا اور انہوں نے کہلا بھیجا کہ میں نے خالی دیگیں مانگی تھیں۔ عدی نے کہا کہ میں خالی دیگیں عاریتہً نہیں دیا کرتا ہوں۔

عرباض بن ساریہؓ

آپ عرباض بن ساریہ سلمی مشہور صحابی اور اہل صفہ میں سے ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں یہاں تک کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ چوتھے ایمان لانے والے ہیں، آپ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو غزوہ تبوک میں سواری نہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوتے تھے جس پر قرآن مجید کی مشہور آیت :- ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا واعینھم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقون (ترجمہ:- اور نہ ان پر کوئی الزام ہے جو آپکے پاس اسلئے آتے ہوں کہ آپ ان کو سواری دیدیں تو آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کر دوں تو وہ اس حالت میں واپس جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں۔ اس غم میں کہ ان کو خرچ کرنے کو کچھ میسر نہیں) نازل ہوئی تھی۔ آپ نے آخر عمر میں ملک شام میں قیام کیا۔ آپ کی وفات ۷۵ھ یا اس سے کچھ قبل ہوئی۔

عروہ بن ابی جعد

آپ عروہ بن ابی جعد بارقی صحابی ہیں۔ رسول اللہؐ نے آپ کو ایک دینار مرحمت فرمایا کہ ایک بکری خرید لاؤ۔ تو آپ نے اس ایک دینار سے دو بکریاں خریدیں ان میں سے ایک کو ایک دینار کے عوض بیچ ڈالا اور رسول اللہ کو بکری اور دینار دو واپس کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے دور میں آپ کو وعظ کہنے کے لئے کوفہ ہی بھیج دیا گیا تھا۔ آپ کے پاس گھوڑے بہت کثرت سے تھے جن میں سے بعض دس ہزار درہم قیمت کے بھی تھے۔

علمِ حدیث

(۶)

(مولانا اشفاق الرحمٰن، کاندھلوی)

رسول اللہ صلعم نے تجارت کے متعلق جو احکام جاری فرمائے تھے، اُن میں ایک یہ تھا۔

لا یبیع حاضر لباد　　شہری لوگ بدوؤں کا مال نہ بیچیں۔

اس غرض سے ایک بدو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضؓ کے پاس آیا۔ لیکن انھوں نے کہا میں تو تم سے نہیں خرید سکتا۔ البتہ بازار میں جا بائع کی تلاش کرو میں صرف مشورہ دیدوں گا۔ (ابو داؤد)

حضرت حذیفہؓ کے سامنے مدائن کے ایک رئیس نے سونے کے پیالے میں پانی پیش کیا۔ اُنھوں نے اُٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو منع کیا تھا یہ باز نہ آیا۔ رسول اللہ صلعم نے اِس کی ممانعت فرمائی ہے (ابو داؤد)

حضورؐ نے مردوں کے لئے حریر و ریشم کا لباس پہننے کی ممانعت فرمائی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک بار بازار میں کپڑا خریدا دیکھا تو اُس میں حریر کے دھاگے نظر آئے فوراً واپس کر دیا (ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یمن کی گورنری پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کو روانہ فرمایا، ان کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھیجا حضرت معاذ بن جبل رضؓ آئے تو دیکھا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کے سامنے ایک مجرم کھڑا ہوا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت معاذؓ سے اُترنے کو کہا۔ لیکن انھوں نے مجرم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے؟ بولے یہودی تھا اسلام لا کر مرتد ہو گیا۔ فرمایا جب تک خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق قتل نہ کر دیا جائے گا، میں نہ اُتروں گا۔ انھوں نے دو بارہ سہ بارہ اُترنے کے لئے اصرار کیا۔ لیکن ان کا یہی جواب تھا۔ چنانچہ جب وہ قتل ہو چکا تو وہ سواری سے اُترے۔ (ابو داؤد)

ایک بار حضرت ابو بکرؓ ایک مجلس میں آئے ایک شخص تعظیم کے لئے اُٹھا۔ انھوں نے بیٹھنے سے انکار کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے (ابو داؤد)

ایک بار حضرت عائشہؓ کے پاس ایک سائل آیا، انھوں نے روٹی کا ایک ٹکڑا دیدیا۔ پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا اُنھوں نے اس کو بٹھا کر خوب کھانا کھلایا۔ لوگوں نے اِس تفریق پر اعتراض کیا۔ تو بولیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

انزلوا الناس منازلھم ہر شخص سے اس کے درجہ کے مطابق برتاؤ کرو۔ (ابو داؤد)

ایک بار آپؐ مسجد سے نکل رہے تھے کہ راستے میں آپؐ نے دیکھا کہ مرد و عورت مل جل کر چل رہے ہیں۔ عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ "پیچھے رہو، تم وسط راہ سے نہیں گزر سکتیں" اِس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ عورتیں اس قدر گلی کے کنارے چلتی تھیں کہ اُن کے کپڑے دیواروں سے اُلجھ جاتے تھے۔ (ابو داؤد)

حضرت محمد بن اسلم نہایت کبیر السن صحابی تھے۔ لیکن جب آپ بازار سے پلٹ کر آتے اور چادر اُتار کر رکھتے تو کہتے کہ خدا کی قسم

میں نے مسجد رسولؐ میں نماز نہیں پڑھی، حالانکہ آپ نے ہم سے فرمایا تھا کہ جو شخص مدینہ میں آئے، تو جب تک اِس مسجد میں دو رکعت نماز نہ پڑھ لے گھر کو واپس نہ جائے، یہ کہہ کر چادر اُٹھاتے اور مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھ کر گھر واپس آتے۔ (اسد الغابہ)

حضرت سفیانؓ جب حالتِ کفر میں تھے تو صحابہ کرام ان سے سخت عداوت رکھتے تھے۔ لیکن غزوہ احزاب میں آپ نے حضرت حذیفہؓ کو حکم دیا کہ کفار کی خبر لائیں، لیکن اُن سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں، وہ آئے تو دیکھا کر سفیان آگ تاپ رہے ہیں، کمان میں تیر جوڑ لیا اور نشانہ لگانا چاہا۔ لیکن رسول اللہ صلعم کا حکم یاد آگیا اور رُک گئے (مسلم)

جو صحابہؓ رافع بن ابی الحقیق یہودی کے قتل کرنے کے لئے گئے تھے، ان کو رسول اللہؐ نے حکم دیا تھا کہ اس کے بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کریں۔ ان لوگوں نے اس شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کی کہ ابن ابی الحقیق کی عورت نے باوجودیکہ اس قدر شور کیا کہ قریب تھا کہ ان کا راز فاش ہو جاتا۔ لیکن ان لوگوں نے صرف آپ کے حکم کی بنا پر اُس پر ہاتھ اُٹھانا پسند نہ کیا (موطا امام مالکؒ)

صحابۂ کرام رضؓ نے علمِ حدیث کیونکر حاصل کیا۔

صحابۂ کرام رضؓ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ صلعم کے فیضِ صحبت کا مشتاق نہ تھا۔ لیکن اس کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ مشکوٰۃ نبوت سے اقتباسِ نور کریں۔ حضرت عمرؓ عوالی میں قیام رکھتے تھے جو مدینہ سے کسی قدر دُور ہے۔ اِس لئے آپ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہنا ممکن نہ تھا۔ تاہم یہ معمول بنالیا تھا کہ ایک روز خود آتے تھے اور دوسرے روز اپنے پڑوسی حضرت عتبان بن مالکؓ کو بھیجتے تھے تاکہ خرمنِ نبوت کی خوشہ چینی سے کسی دن محروم نہ ہونے پائیں (بخاری)

بعض صحابہ رضؓ کو اِس کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بات کے لئے بر سول آپ کی خدمت میں قیام کرتے تھے۔

حضرت نواسؓ بن سمعان کا بیان ہے کہ، لوگ جب آپؐ کے پاس سے رخصت ہوتے تھے تو کچھ پوچھ کر نہیں جاتے تھے، لیکن مجھے گناہ و ثواب کی حقیقت دریافت کرنی تھی، اس کے لئے میں نے ایک سال تک قیام کیا۔ اس کے بعد آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا نیکی، حُسنِ خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو خود تمہارے دل میں کھٹکے اور لوگوں پر اس کا افشا تمہیں ناگوار ہو (مسلم)

اِس طرح جن بزرگوں کو آپ کے فیضِ صحبت سے متمتع ہونے کا جس قدر موقع ملتا تھا اُسی قدر ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ زیادہ جمع ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضؓ پر جب کثرتِ روایتِ حدیث کا الزام لگایا گیا تو انھوں نے اس کا یہ جواب دیا۔

ان اخوتی من المھاجرین کان یشغلھم الصفق بالاسواق وکنت الزم رسول اللہ علی ملأ بطنی فاشھد اذا غابوا واحفظ اذا نسوا وکان یشغل اخوتی من الانصار عمل اموالھم وکنت امرأ مسکینا من مساکین الصفۃ اعی حین ینسون۔ (بخاری)

"میرے بھائی مہاجرین تجارت میں اور میرے بھائی انصار کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن میں مساکین صفہ کا ایک فرد تھا، اس لئے ہر وقت رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اِس بنا پر جب وہ لوگ غائب ہوتے تھے، تو میں آپ کی خدمت میں موجود رہتا تھا۔ جب یہ لوگ بھول جاتے تھے تو میں یاد کیا کرتا تھا"۔

وہ معاش کی ضرورت کے علاوہ خود حدیثِ نبوی کے نہایت مشتاق تھے، اِس لئے آپ سے سوالات کیا کرتے تھے اور آپ شوق سے ان کا جواب دیتے تھے۔

ایک بار اُنھوں نے آپ سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن آپؐ کی شفاعت سے سب سے زیادہ بہرہ اندوز کون ہوگا؟ فرمایا میرا خیال تھا کہ تم سے پہلے کوئی اِس کا سوال نہ کرے گا۔ کیوں کہ تم حدیث کے بڑے حریص ہو۔ (بخاری)

ان بزرگوں سے الگ ازواج مطہرات، اور ازواج مطہراتؓ میں حضرت عائشہ ہیں، جن کو رسول اللہ صلعم سے سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ اِس لئے خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ صلعم کے اقوال اور افعال کے سُننے اور دیکھنے کا موقع ملتا تھا۔ احادیث میں نہایت کثرت سے اِس قسم کے واقعات ملتے ہیں، جن میں حضرت عائشہ رضؓ نے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر اور صحابہؓ کی روایات پر نکتہ چینی کی۔ اہلِ بیت میں بھی جو لوگ متفحص ہوتے تھے وہ ازواج مطہرات ہی کے ذریعہ سے اِس مقصد میں کامیاب ہوتے تھے۔

حضرت میمونہ رضؓ حضرت ابن عباسؓ کی خالہ تھیں، وہ ان کے یہاں اِس غرض سے سوتے تھے کہ رسول اللہ صلعم کی نمازِ شب کی کیفیت کو ملاحظہ کریں۔ (ابوداؤد)

صحابہ کرام کا شوقِ حدیث صرف رسول اللہ کے فیضِ صحبت تک محدود نہ تھا بلکہ وہ خود اِس روحانی خزانہ کی تلاش میں طرح طرح کی مشقتیں برداشت کرکے سینکڑوں کوس کا سفر کرتے تھے حضرت فضالہ بن عبید رضؓ مصر کے گورنر تھے۔ ایک صحابی اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں ملاقات کے لئے نہیں آیا، میں اور آپ دونوں نے رسول اللہ صلعم سے حدیث سنی تھی، اس لئے مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ کو اس کا علم ہو۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن انیس جہنی رضؓ مصر میں مقیم تھے وہ قصاص کے متعلق ایک حدیث کی روایت کرتے تھے۔ حضرت جابر رضؓ کو معلوم ہوا تو بازار میں آکر ایک اونٹ خریدا اور اُس پر کجاوہ کس کر مصر کو روانہ ہوئے ایک مہینے میں مصر پہنچے اور لوگوں سے پوچھتے ہوئے اُن کے دروازہ پر گئے اور ایک حبشی غلام کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جب اُن کو معلوم ہوا کہ وہ صحابی ہیں تو آکر لپٹ گئے اور پوچھا کہ آپ کیوں تشریف لائے؟ بولے کہ قصاص کے متعلق آپ جس حدیث کی روایت کرتے ہیں، اب آپ کے سوا اس کا کوئی راوی نہیں ہے، اس لئے میں نے چاہا کہ قبل اس کے کہ ہم دونوں میں سے کسی کی موت آئے، میں آپ سے اِس حدیث کو سُن لوں۔ (حسن المحاضرہ)

ایک موقع پر رسول اللہ صلعم نے ایک حدیث بیان فرمائی تھی۔ حضرت سائب بن خلاد اور حضرت عقبہ بن عامر رضؓ اس موقع پر موجود تھے لیکن بعد میں حضرت سائبؓ کو اس حدیث کے متعلق وہم پیدا ہوا اور وہ ازالۂ شک کے لئے مصر میں حضرت عقبہ رضؓ کے پاس گئے اور پہلے مسلمہ بن مخلد کے دروازے پر حاضر ہوئے انھوں نے اُن کو مہمان بنانا چاہا۔ لیکن انھوں نے کہا کہ پہلے عقبہ رضؓ سے میری ملاقات کرا دیجئے۔ وہ ایک گاؤں میں تھے، لہٰذا وہاں گئے اور اس حدیث کی تصدیق کرکے واپس آئے۔

اِس کے علاوہ صحابہ کرام سینکڑوں طریقے سے احادیث کو جمع کرتے تھے۔

ایک بار حضرت زید بن خالد الجہنی آستانۂ مبارک پر ٹیک لگا کر سوئے اور آپؐ کی نمازِ شب کی کیفیت ملاحظہ فرمائی۔

ایک بار ایک صحابی نماز پڑھ رہے تھے، آپؐ نے اُن سے کچھ کہا، جس کو اور صحابہ نے نہیں سُنا۔ جب وہ پلٹے تو تمام صحابہ نے گھیر لیا کہ آپ سے کیا فرمایا تھا (ابن ماجہ)

ایک بار حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو لکھا

کہ نماز کے سلام کے بعد آپ کیا دُعا پڑھتے تھے؟ تو انھوں نے وہ دُعا لکھ بھیجی۔ (ابو داؤد)

اس تفحص و تلاش کے ذریعہ سے کانِ سعادت کے یہ موتی جب دامن میں آجاتے، تو صحابۂ کرام نشے سے مست ہوجاتے تھے۔

حضرت ابن الحنظلیہ ایک خاموش اور گوشہ نشین صحابی تھے ایک روز وہ حضرت ابو الدرداء رضہ کے پاس سے ہوکر گزرے تو انھوں نے ان کو دیکھ کر کہا: کلمنا تنفعنا و لا تضرنا "کچھ فرمائیے جو ہم کو نفع دے، ہم کو مضر نہ ہو" انھوں نے ایک حدیث بیان کی تو حضرت ابو الدرداء رضہ اس قدر مسرور ہوئے کہ سر اُٹھا کر کہا۔ آپ نے رسول اللہ صلعم سے یہ سُنا ہے اور بار بار اس جملہ کو دہراتے رہتے اسی طرح وہ متعدد بار ان کے پاس سے گزرے اور انھوں نے کلمۂ نافع کی استدعا کی، اور انھوں نے ایک حدیث بیان کردی۔

خود نبی کریم کا ارشاد تھا کہ "میری حدیثیں محفوظ کرو، اور دوسروں تک پہنچاؤ۔"

عن ابن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول نضر اللہ عبدا سمع منا شیئا فبلغہ کما سمعہ فرب مبلغ اوعی لہ من سامع (ترمذی)

"حضرت عبد اللہ بن مسعود رضہ سے مروی ہے کہ میں نے حضورؐ کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ، خدا اس بندے کو تر و تازہ رکھے جو مجھ سے ذرا سی بات بھی سُنکر دوسرے کو ویسی ہی پہنچادے جیسی سُنی بہت سے پہنچائے ہوئے (لوگ خود) سُننے والے سے زیادہ یاد رکھتے ہیں۔"

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللّٰھم ارحم خلفائی قلنا یا رسول اللہ و من خلفاءک قال الذین یروون احادیثی و یعلمونھا الناس (اوسط طبرانی)

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ، اے اللہ! میرے خلفاء پر رحم کر! ہم نے عرض کیا کہ آپکے خلفاء کون ہیں؟ ارشاد فرمایا، جو میری حدیثیں روایت کرتے ہیں اور حدیثوں کی اَوروں کو تعلیم دیتے ہیں۔"

حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی اکابر تابعین میں سے ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں۔

حدثنا الذین کانوا یقرؤن القرآن من اصحاب النبی صلعم انھم اذ تعلموا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر آیات لم یجاوزوھا حتی یتعلموا ما فیھا من العلم والعمل فتعلمنا القرآن والعلم والعمل۔ (مختصر الصواعق لابن قیم)

"صحابہ میں سے وہ حضرات جو ہمیں قرآن پڑھایا کرتے تھے انھوں نے ہم سے بیان کیا کہ جب وہ نبی کریم صلعم سے قرآن کی دس آیتیں سیکھتے، تو آگے نہیں بڑھتے، تاوقتیکہ اُن کے علم و عمل کو اچھی طرح سیکھ نہیں لیتے۔ تو ہم نے قرآن کو اِس طرح سیکھا کہ علم و عمل دونوں کی بیک وقت تعلیم حاصل کی۔"

تعلیم حدیث

صحابۂ کرام اشاعتِ حدیث کے لئے تمام ممالکِ مفتوحہ میں پھیل گئے تھے اور لوگوں کو نہایت شوق کے ساتھ حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت ابو ادریس خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں گیا تو ایک حلقہ میں جس میں ۳۲ صحابہ رضہ تھے بیٹھ گیا۔ ایک شخص روایت حدیث کر چکتا تو دوسرے صاحب اس سلسلہ کو شروع کرتے۔

(مسند جلد ۵)

خضر بن عاصم لیثی کا بیان ہے کہ میں کوفہ کی مسجد میں گیا، تو

ایک حلقہ نظر آیا جو نہایت خاموشی کے ساتھ ایک شخص کی طرف کان لگائے ہوئے تھا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ رضؓ بن یمان ہیں (مسند جلد ۵)

حضرت ابو الدرداء رضؓ دمشق میں رہتے تھے، اور جب درس دینے کے لئے مسجد میں آتے تھے، تو اُن کے ساتھ طلبہ کا اِس قدر ہجوم ہوتا تھا، جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

لیکن علمِ حدیث کا سب سے بڑا دار العلم مدینہ تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ خاص مسجد نبوی میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیتے تھے علامہ سیوطی رح حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں:

کان لجابر بن عبد اللہ حلقۃ فی المسجد یؤخذ عنہ العلم۔ "جابر بن عبداللہ کا حلقۂ درس مسجد نبوی میں تھا۔ لوگ اُن سے علم حاصل کرتے تھے (حسن المحاضرہ جلد ۱)

ابو العالیہ سے روایت ہے کہ ہم بصرہ میں صحابہ رضؓ کی مرویات سنتے تھے، لیکن اس پر کافی اعتماد نہ ہوتا تھا۔ اِس لئے خود مدینہ میں آکر ان کی زبان سے ان کو سنتے تھے (مسند دارمی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کا بیان ہے کہ اکثر حدیثیں انصار کے یہاں ملیں۔

بعض صحابہ رضؓ کو اگرچہ سلطنت کی طرف سے روایتِ حدیث کی ممانعت تھی، لیکن سلطنت کا دباؤ ان کو اِس مقدس فرض کے ادا کرنے سے روک نہیں سکتا تھا۔ حضرت ابوذر غفاری رضؓ اِسی قسم کے صحابی تھے، لیکن وہ علانیہ کہتے تھے کہ اگر تم لوگ میری گردن پر تلوار رکھ دو اور مجھے معلوم ہو کہ ایک کلمہ بھی جس کو میں نے رسول اللہ ؐ سے سُنا ہے ادا کر سکوں گا تو قبل اس کے کہ تلوار اپنا کام کرے میں اُس کو ادا کر دوں گا۔ (بخاری)

خود امراء و سلاطین کو ضرورت ہوتی تھی، تو وہ صحابۂ کرام کو طلب فرماتے تھے اور روایتِ حدیث کی درخواست کرتے تھے ایک دن حضرت زید بن ثابت رضؓ ٹھیک دوپہر کے وقت مروان کے دربار سے نکلے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ مروان نے ان کو اس وقت کیوں تکلیف دی؟ ان سے دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھ سے بعض حدیثوں کے متعلق پوچھا تھا۔ (ترمذی)

امیر معاویہ رضؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن شبل کو لکھ بھیجا تھا کہ لوگوں کو احادیث کی تعلیم دو اور جب میرے خیمہ کے پاس کھڑے ہو تو مجھے حدیثیں سُناؤ۔ (مسند۔ جلد ۳)

لوگ صحابۂ کرام کی خدمت میں طلبِ علم کے لئے آتے تھے، وہ نہایت کشادہ دلی کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کرتے تھے۔ حضرت ابو ہارون عبدی کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت ابو سعید خدری رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ مرحبا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہارے پاس دنیا کے گوشے سے بہت سے لوگ علم حاصل کرنے آئیں گے، تم لوگ اُن کے ساتھ ... کرنا۔ (ترمذی ابواب العلم)

حضرت حسن بصری رح سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی عیادت کو گئے، جب آدمیوں سے اُن کا گھر بھر گیا، انھوں نے خاکساری سے اپنے پاؤں سمیٹ لئے، اور فرمایا کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ لیٹے ہوئے ... ہم لوگوں کو دیکھا تو اسی طرح پاؤں سمیٹ لئے اور فرمایا کہ میرے بعد تمہارے پاس لوگ تحصیلِ علم کے لئے آئیں گے، اُن کو مرحبا کہنا تحیہ دینا اور علم سکھانا۔ (ابن ماجہ)

(بقایا مضمون صفحہ ۳۸)

متی - ہاں پانچ سال بعد سلیمان آیا۔ کہنے لگا:

سلیمان - متی! متی! کیا مجھے نہیں پہچانتے؟

متی - کون؟ سلیمان؟

سلیمان - ہاں، میں سلیمان ہوں۔

متی - میرے بھائی تم کہاں تھے؟ میں نے تمھیں بہت تلاش کیا۔

سلیمان - تاکہ مجھ سے دوبارہ کام لے کر میرا حق مارو!

متی - نہیں، بلکہ اس خیال سے کہ میں تمھارا حق تم تک پہنچا دوں۔ خدا کی قسم میں نے تمھیں ہر جگہ تلاش کیا۔

سلیمان - تاکہ تم مجھے وہ ایک صاع چاول دیدو، جو میں تمھارے پاس چھوڑ گیا تھا۔ سنو متی! اللہ کے فضل سے اب میں اتنا محتاج نہیں کہ ایک صاع بھر چاول کی ضرورت ہو۔

متی - ادھر آؤ! دیکھو، یہ جانور اور چرواہے تمھیں نظر آرہے ہیں؟

سلیمان - ہاں، متی! تم تو بہت مالدار ہو گئے۔

متی - سلیمان! یہ مال میرا نہیں۔ یہ سب تمھارا ہے اور اسی ایک صاع چاول کا ثمرہ ہے جو تم میرے پاس چھوڑ گئے تھے۔

سلیمان - یہ کیا کہہ رہے ہو؟

متی - میرے پاس یہ تمھاری امانت تھی، اب اپنی امانت لو! اور مجھے حفظِ امانت کے بارے سبکدوش کرو۔

سلیمان - متی! مجھ سے مذاق نہ کرو! آج میں غریب نہیں ہوں کہ تمھارا مذاق برداشت کرسکوں۔

متی - خدا کی قسم میں مذاق نہیں کر رہا۔

سلیمان - سچ؟

متی - خدا کی قسم بالکل سچ۔

سلیمان - تم کس قدر امانت دار ہو متی! میں اس میں سے نصف تمھارے لئے چھوڑے دیتا ہوں۔

متی - نہیں اس کی ضرورت نہیں، اللہ تمھیں جزائے خیر دے۔

سلیمان - تم اس کے ضرورت مند ہو۔

متی - سلیمان! اگر تمھارے اس مال کا میں ضرورت مند ہوتا، تو کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اس کی حفاظت کرتا؟

یوسف - پھر کیا وہ اپنے تمام جانور لے گیا؟

متی - ہاں۔ اور میری بیوی مجھ پر بہت ناراض ہوئی اور ایک ماہ تک مجھ سے محض اس وجہ سے نہ بولی کہ، میں نے سلیمان کی پیش کش قبول نہ کی۔ لیکن میں نے اس سے کہا کہ، اللہ تعالیٰ رازق ہے۔

ہارون - متی! تم مبارکباد کے مستحق ہو، خدا کی قسم یہ عمل میرے اور یوسف کے اعمال سے بھی افضل ہے۔ اب اسی کے ذریعہ اللہ سے دعا کرو۔

متی - اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ عمل میں نے تیری رضاجوئی کے لئے ہی کیا تھا، تو ہم سے اس مصیبت کو دور فرما دے۔

یوسف - دیکھو! چٹان اپنی جگہ سے ہٹ رہی ہے۔ خدایا ——— وہ کھل گئی۔

(چٹان کے اوپر اٹھنے کی آواز سنائی دیتی ہے)

ہارون - اے اللہ! تیرا شکر ہے!

متی - خدا کا شکر ہے!

(صفحہ ۳۳ کا بقایا) سرچشمہ ان کی ضرورت پوری کرنے کو کھول رکھے ہیں، عزیزو! انسان اپنی ضرورت پوری کیا کرتا ہے۔ فرض کیجئے پاکستان کے تمام کنوؤں کا پانی زہر آلود ہو جائے اور ہم ملک کے گوشہ گوشہ میں اعلانِ عام کر دیں کہ خبردار کوئی اِن کنوؤں کا پانی نہ پیئے یہ سمِ قاتل ہے اور قضائے مُبرم۔ اتنا کہہ کر سب کو آگاہ کر کے اپنے ضمیر کو اطمینان کی نیند سُلا کر ہم بھی خوابِ خرگوش میں پڑ جائیں تو فرض سے سبکدوش نہیں ہوئے اِس لئے کہ پیاسا تو پانی پیئے ہی گا اگر ہم اربابِ حل و عقد ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ اس اعلانِ سم آلود کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتائیں کہ فلاں فلاں جگہ ہم نے تمہارے لئے کوثر و سلسبیل کی نہریں جاری کر دی ہیں سبیلیں لگا دی ہیں، جب تم کو اور تمہاری اولاد کو پیاس لگے تو وہاں جا کر سیر ہو کر پی لو۔ مانا کہ ہم ترقی یافتہ اربابِ عقل و دانش مذہب سے، خدا اور رسول سے نیز احکامِ شریعت سے مستغنی ہیں تاہم ابھی تک جاہل عوام کو تو خدا اور رسول کی ضرورت ہے۔ ہم کوٹھیوں کے باشی اپنی شریعت خود تشکیل کر لیتے ہیں تاہم غریب کم عقل، گھروں محلّوں اور جھونپڑیوں میں گزر بسر کرنے والے تو اتنے ترقی یافتہ نہیں کہ ٹب میں گھس جائیں اور ان کا غسلِ جنابت ہو جائے، عدالت کے رجسٹر میں دستخط مار دیں اور نکاح مکمل، بیگم اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما دیں اور طلاق و خلع کی منازل طے پا جائیں۔ ہمارا فرض ہے کہ بہ خیالِ خویش اِن مذہب طلب عوام کی ضروریات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کے پورا کرنے کا انتظام کریں، یوں سمجھنا چاہیئے کہ ایک ملک کے امراء اور اہلِ دول و اقتدار شراب پی کر پیاس بجھا لیتے ہیں انہیں زیب نہیں دیتا کہ غرباء اور محکوم طبقے کے لئے اچھے پانی کا بھی اہتمام نہ کریں، شرم کی بات ہے کہ ہم انہی عوام کے دست رنج پر پلیں، عیش کریں، انہی کے پسینہ سے ہماری سر بفلک عمارتوں کا گارا ساندھا جائے۔ انہی کی سحر خیزی اور جفاکشی ہمارے میزوں کو خوانِ فرعون بنائے، انہی کی بنائی ہوئی تن زیب ہماری تن فروش محبوبائیں زیب تن کریں اور ہم ان کے لئے قوتِ روح کا بھی انتظام نہ کریں جسے یہ قوتِ لایموت سے اہم تر تصور کرتے ہیں۔

دین اور اہلِ دین کی جانب سے بے اعتنائی دو وجوہ کے تحت ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ ہم دین کو ملّت کے لئے مضرت رساں سمجھیں، دوسری وجہ یہ کہ موجودہ علمائے دین ہماری رائے میں بُرے ہو گئے ہیں، اگر ہماری طعن و تشنیع کا باعث، وجہ اوّل ہے تو ہم کیوں نہیں اعلان کرتے، اور جیسے رُوس نے کہا ہے۔ کیوں نہیں ببانگِ دہل کہتے کہ دین سے دُور رہو یہ زہر تمہاری رگ و پے اور تمہاری رُوح میں سرایت کر کے تم کو تباہ و برباد کر دے گا، اِس سے بچو اور اپنے بچوں کو بچاؤ۔ اور اگر دین اپنی جگہ درست ہے اور علمائے دین خراب تو ہمارا فرض ہے کہ اچھے علمائے دین فراہم کریں۔

قیامت ہے کہ ہم خام شراب تو قوم کو پینے نہیں دیتے اور اس کے انسداد کے لئے پورا محکمہ قائم کر رکھا ہے۔ مزید برآں میخواروں کی یہ خوئے بد پوری کرنے کو یورپ سے منگوا کر دیتے ہیں۔ چونکہ ملکی تیار کردہ صحت کے لئے زیادہ مضر ہے اور انہی لاڈلوں کی تشنگیٔ روح بجھانے کا صحیح سامان مہیا نہیں کرتے۔

عزیزو! ہم اپنے دلوں کو ٹٹولیں، اپنے سینوں کو چیر کر دیکھیں اپنی بہانہ جُو رُوحوں کا جائزہ لیں، اپنے حیلہ ساز دماغوں کے پردے ہٹا کر دیکھیں، تو ہم کو نظر آئے گا کہ نہ مذہب بُرا ہے، نہ مولوی بُرے۔ ہمارے نازک کندھے اِس سنگِ گراں کو اُٹھانے کے اہل نہیں، اس وجہ سے اُسے بھی بُرا کہہ رہے ہیں اور اُس سے اٹھانے والوں کو بھی مطعون کر رہے ہیں، ورنہ حق تو یہ ہے کہ، دین حق ہے اور مولوی، مبلغین برحق۔ کج رَو ہم ہیں زیاں کار ہم +

"تذکرہ" کے خریدار حضرات سے التماس ہے کہ خط و کتابت کرتے وقت، نمبر خریداری کا ضرور حوالہ دیا کریں۔

غزل

(سید تعظیم علی، شاداں)

تیری چشمِ کرم اگر نہ ہوئی
کیا مری زندگی بسر نہ ہوئی

میرے گھر آپ کیسے آئے؟ اگر
کششِ عشق راہبر نہ ہوئی

گوشۂ دل میں جلوہ افگن ہے
وہ تجلّی جو طُور پر نہ ہوئی

شبِ غم کی درازیاں توبہ
یوں سمجھ لیجیے سحر نہ ہوئی

روتے روتے ہمیں تمام ہوئے
شرحِ غم آہ مختصر نہ ہوئی

منزلِ قبر آہ وہ ہے جہاں
روح بھی ہمدم سفر نہ ہوئی

کیوں مرے حال پر تاسف ہے
صاف کہہ دو ہمیں خبر نہ ہوئی

اُن کی فرقت میں آنکھ محوِ خواب
بار ہا رات رات بھر نہ ہوئی

لاکھ تسکینِ دردِ دل چاہی
مگر افسوس عمر بھر نہ ہوئی

زاہدا مے وہ کیا جو دُنیا میں
دافعِ سوزشِ جگر نہ ہوئی

وہ حسیں کیا کہ جس کی ایک نظر
ناوکِ سینہ و جگر نہ ہوئی

دیکھتے ہم بھی ظرفِ زاہد کو
اُس کی جانب تری نظر نہ ہوئی

آ گئے کام وہ لبِ جاں بخش
جب دوا کوئی کارگر نہ ہوئی

اُس کا ایمان کیا ہے جسے شاداں
اُلفتِ سیدُ البشر نہ ہوئی

مولوی بُرے یا ہم؟

(خواجہ محمد شفیع)

ایک عرصہ سے یہ خیالات ترقی پر ہیں کہ مولوی بُرے۔ آوازیں ہر چہار طرف سے کانوں میں آرہی ہیں کہ یہ فرقہ ملک و ملّت کے لئے وجہ زیاں ہے، یہ جماعت غدار ہے اور قوم کے لئے مستقل آزار۔ یہ باتیں بنانے والے، اِن خیالات کے حامل، بہ بانگِ دہل مولویوں کی تضحیک و تذلیل کرنے والے، ہم ہیں ڈاڑھی منڈے، کفر پہننے والے، اسلام کی نسبت دہریت سے زیادہ آشنا، دین کی نسبت لادینیت سے قریب تر، غزالی اور رازی کے مقابلہ میں کینٹ اور گوئٹے سے واقف، کعبہ کے برخلاف ماسکو، لندن اور نیویارک کی تعظیم کرنے والے۔ ہماری نظریں اُس ماسکو کی جانب اُٹھتی ہیں، جس کے بُنیادی اصول میں دین دشمنی داخل ہے، جہاں سے ہماری آنکھوں کے سامنے اپنا ایمان لے کر مسلمان سربصحرا نکلے، اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے۔

وہ ماسکو جس نے بخارا، تاشقند، سمرقند وغیرہ مُسلم ریاستوں کو تلوار اور تدبر سے ختم کیا۔ ہم اس لندن کی جانب آس لگائے بیٹھے ہیں، جس لندن نے تقسیم کے وقت ہر ہر قدم پر ہماری گلو تراشی کی، جس لندن نے بغیر استحقاق پٹھان کوٹ ہندوؤں کو اِس لئے دیا کہ وہ اس طرح سے کشمیر پر قبضہ کرکے اُس کو ہمارا سرکوب بنائیں، ہم پر پانی بند کریں اور سرسبز کھیتوں کو صحرا بنادیں۔ انصاف اور امن کے ڈھول بجائیں اور خود ہر ہر قدم پر امن و انصاف کا خون کرتے رہیں۔ بایں ہمہ اس نیویارک کا دامن تھام رہے ہیں جو ہماری تمام وکمال کاسہ لیسیوں کے باوجود اس وقت بھی بھارت کے گ
میں باہیں ڈالنے کو تیار ہے۔

کیا مولوی اِس لئے بُرا ہے کہ ہم غیر خدا کا دامن تھام رہے
ہیں اور وہ ہمارا دامن کھینچ کر خدا کی جانب لانا چاہتا ہے۔

مولوی بُرے جو کلام اللہ اور حدیث پڑھ کر خدا سے رش
استوار کریں۔ ہم اچھے جو کارل مارکس اور لینن کو پڑھ کر اللہ سے
منحرف ہوئے بیٹھے ہیں۔ مولوی بُرے جو اسلامی تہذیب کے حامل
ہیں جس کے قیام کی خاطر لاکھوں مسلمان خانماں برباد ہوئے اور آ
بھی ہیں، جس کی بدولت ہندوستان کا مسلمان وطن میں ہو
ہوئے غریب الوطن ہو چکا ہے۔ ہم اچھے جو للہ الحمد اپنے جناز
بھی عیسائیوں کی تقلید میں توپ سوار بارگاہِ ایزدی میں پہنچا
لگے، جس حرکت کے طفیل عالمِ بالا اور ملاءِ اعلیٰ میں بھی ہماری اسلا
دوستی کے چرچے ہوگئے۔ فرشتے انگشت بدنداں رہ گئے کہ ی
کونسا مسلمان اِس شان سے آیا ہے؟ خلفائے راشدین کا تو ذکر
بھی اس مقام پر خلافِ ادب تصور کیا گیا۔ ہاں اتنا زبانوں پر ضرو
آیا کہ بنی اُمیہ، فاطمی اور بنی عباس بھی، لیکن یہ توپ سوار سلس
اب آنے شروع ہوئے ہیں۔ رحمت نے نگاہیں پھیر لیں۔ شفاعت
دم بخود رہ گئی، صدیق اکبر رضؓ نے نظرِ حیرت ڈالی، فاروقِ اعظم رضؓ کے
تیور پہ بل آئے، عثمان غنی رضؓ کا چہرہ سُرخ ہوگیا، خلیفۂ چہارم
حضرت علی رضؓ شیرِ خدا خموش نہ رہ سکے اور کہہ اُٹھے کہ اس قوم

انجام کیا ہوگا؟ اسرافیل نے قیامت قریب سمجھ کر صور اٹھالیا۔ اور جبرئیل امین قریب سدرہ جا کھڑے ہوئے۔ حاملانِ عرش لرزہ براندام تھے۔

ہم پاکستان دوست، ملت پرست، خادمانِ قوم مولویوں کو گردن زدنی قرار دیتے ہیں اور پاکستان کے لئے سمِ قاتل، ملت فروش بتاتے ہیں اور غدار گنواتے ہیں۔ دراں حالیکہ حکومت ہاتھ میں ہے اور اربابِ بست وکشاد ہم، تمام وکمال نظم ونسق ہماری دست بُرد میں، ہر شعبۂ حکومت پر ہمارا قبضہ امورِ قانونی وانتظامی پر ہمارا تسلط، اِس کے باوجود پاکستان کو تباہ کر رہا ہے مولوی۔ قلم ہماری چل رہی ہے، حکم ہمارا نافذ ہے اور خرابیوں کا ذمہ دار مولوی ہے

اُلٹے وہ شکوہ کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
ناطاقتی کے طعنے ہیں، عذرِ جفا کے ساتھ

کبھی ہم نے اپنی لن ترانیوں کے غلغلہ میں یہ بھی سوچا کہ یہ اینٹی کرپشن کا محکمہ ہمارے لئے بنانا پڑا یا مولویوں کے لئے، یہ پروڈا ہم کو غلط کاریوں سے روکنے کے لئے عالمِ وجود میں آیا، یا مولویوں پر اِس کا نفاذ ہوا۔ عجب منطق ہے، عجب حسنِ استدلال! اگر یہی طرزِ فکر وذکر رہا تو کل کو چور، رہزن، قطاع الطریق یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ سارے شہری، تمام پولس والے دزد ہیں اور ہم امانت دار۔

شب وروز یہ کہا جا رہا ہے کہ، رشوت ستانی، اقربا پروری بددیانتی ملک کو تباہ کر رہی ہے اور ملت کو برباد، نیز اس کا انسداد محکمۂ اینٹی کرپشن کرتا ہے، جس کا بجٹ لاکھوں روپیہ ماہوار کا ہے للہ بتائیے یہ سب اخراجات مولویوں کی پاکستان دشمنی روکنے کے لئے ہیں، یا ہم ڈاڑھی منڈوں کی بدکرداریوں کی روک تھام کے واسطے۔ یہ پروڈا مولویوں کے خلاف عمل میں آنا ہے یا ہمارے؟

شرم کا مقام ہے اور یہ غیرت کی جگہ ہے کہ بُرے تو ہم ہیں زیاں کار ہم ہیں، غدار ہم اور الزام دے رہے ہیں مولویوں کو، بھیڑیئے بھیڑوں کی گیاہ خواری پر چیں بہ جبیں ہیں، سانپ بِسُود کے کاٹنے پر طعنہ زن، اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا، دوسرے کی پلک کے تنکے پر طعن کر رہے ہیں۔ غور کیجئے ایمان کا دامن ہاتھ نہ جانے دیجئے، انصاف سے کام لیجئے۔ اگر ہم بُرے نہ ہوتے، تو اینٹی کرپشن کی ضرورت کیوں پڑتی، اگر ہم غدار نہ ہوتے تو پروڈا کیوں بر سرِ کار آتا۔ اگر حقیقتاً مولوی ملک وملت کے لئے مُضر ہوتے تو ملت اینٹی مُلا بل پاس کرتی، اینٹی مساجد ایکٹ بناتی، محکمۂ انسدادِ ملا گردی تخلیق پاتا۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ اپنی برائیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے مولوی کو ہدفِ ملامت بناتے ہیں۔ قوم کا ذہن اپنی جانب سے ان کی طرف مرکوز کراتے ہیں، خود چور ہیں اور پیچھا کرنیوالوں کو بھیس بدل کر غلط راہ پر لگاتے ہیں۔ عزیزو! حقیقت کچھ عرصہ چھپائی جاسکتی ہے۔ یہ آنکھ مچولی بھی کچھ عرصہ کھیلی جاسکے گی، پھر ہم بے نقاب ہوں گے اور قوم کے روبرو سربازار منظرِ عام پر ٹکریاں لائے جائیں گے۔ انسب ہے اور قرین مصلحت کہ بجائے اِس خود فریبی وگریہ روی ہم خود اپنے جسم کے داغوں پر غور کریں اور ان کے مداوا کی تدبیر، ورنہ یاد رہے کہ زمانہ کا بے رحم چنگل جب جامہ دری پر آتا ہے تو چیتھڑا لگا نہیں چھوڑتا اور پورے پورے چیتھڑے اُڑا کر دھر دیتا ہے

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ورنوشتہ است پند بر دیوار

کلام اللہ اور حدیثِ نبوی کے سامنے مسلمان کا سر جھک جاتا ہے اور جو نہ جھکے وہ سر مسلمان کا نہیں۔ پس انسب ہے کہ عظمتِ علمائے دین کے باب میں ہم خدا اور رسول کا ارشاد آپ تک پہنچا دیں وما علینا الا البلاغ۔

جب ہماری گستاخ زبانیں گفتار میں آتی ہیں اور یہ تلواریں اپنی کاٹ دکھاتی ہیں، اُس وقت ہم یہ فراموش کر دیتے ہیں، کہ اِس جماعت کی تعریف نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔

حدیثِ نبوی ہے کہ مال: ارث فرعون، قارون، کفار اور فجار کی ہے۔ اور علم: ارث انبیاءؑ، علماء اور اولیاء کی ہے۔ ہم زر پرستوں لکشمی کے پجاریوں نے مال کو اصل دولت و نعمت قرار دے رکھا ہے، حالانکہ یہ اسفل ترین ہے۔ ہماری نگاہیں پستی کی جانب ہیں، بلندیوں اور رفعتوں سے کنارہ کش۔ حالانکہ حضرت علی رضؓ کا قول ہمارے سامنے ہے فرماتے ہیں "اللہ مجھ کو علم عطا فرما، مال و زر کی دولتیں میں نے دوسروں کے لئے چھوڑیں"۔ ہم کٹ حجت اِس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ علم سے مُراد محض علمِ دین کیوں لیا جائے، دیگر علوم بھی اس میں کیوں نہ شامل کئے جائیں۔ کج فہم تاویل تراش۔ عزیزو! علمِ دین کو دیگر تمام علوم پر تفوق ہے۔ ہم عقلائے دہر کوئی دعوائے بغیر دلیل مانا نہیں کرتے۔ پس اب یہ ارشاد ہوگا کہ ایسا کیوں تسلیم کیا جائے؟ بندہ پرور علمِ دین ہی ہے جو دیگر تمام علوم کا صحیح مصرف بتاتا ہے اگر دیگر تمام علوم و فنون کے منہ زور اور تند رو گھوڑوں پر دین کی لگام نہ ہو تو اُن کی بے راہ روی وجہ بربادی ہوگی، اور ماہرانِ علوم و فنون کی کیفیت اس تیغ زن کی سی ہو جائے گی، جسے دوست دشمن کی تمیز نہ ہو اور پھر یہ پورس کے ہاتھی اپنی ہی فوج کو کچل ڈالیں گے جیسا اِس وقت ہر شعبہ میں ہو رہا ہے۔ جو علم وہ مقام تحفظِ حقوق میں کام آنا چاہیے تھا اتلافِ حقوق کا باعث بنا ہے۔ اینٹی کرپشن اور پروڈا اس کی کامیاب روک نہیں۔ اوّل الذکر خود بے راہ جا سکتا ہے، آخر الذکر کا غلط استعمال ممکن ہے۔ طغیان سرشت انسان کو کج روی سے محض خوفِ خدا روک سکتا ہے۔ اِسی تخیل کے تحت اقبال کہتا ہے:

"جُدا ہو دیں سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی"

یہ حقیقت صرف سیاست ہی تک محدود نہیں، ہر راہِ حیات پر حاوی ہے۔ زیادہ وضاحت طولِ کلام کا باعث بنے گی۔ عقلِ سلیم خود اس کلیہ کو تسلیم کرے گی۔ ذہنِ کج رو کی دارو نہیں۔

خدا ترس باید امانت گزار
امیں کز تو ترسد امینش مدار

ہاں تو بات یہاں سے چلی تھی کہ، علماء کو بُرا کہتے ہوئے ہم یہ فراموش کر بیٹھتے ہیں کہ ہم قرآن اور حدیث کے خلاف لب کشائی کر رہے ہیں۔ قولِ نبوی ہے کہ "عالم کو عابد پر تفوق ہے"۔ جیسے حضور کو ادنےٰ صحابہؓ پر۔ پس علمائے دین عابد و زاہد سے بلند تر مرتبہ کے حامل ہیں، کجا ہم سگانِ دہر ان کی جناب میں گستاخانہ کلمہ زبان پر لائیں سعدیؒ اِسی امتیازِ خصوصی کو یوں نظم کرتے ہیں کہ:

گفت او گلیم خویش بدر می کشد ز موج
ویں جہد می کند کہ بگیرد غریق را

حضور سرورِ کائنات خیر البشر صلعم کا ارشاد ہے کہ "پیروی کرو میری، اور میرے خلفاء کی"۔ جن کی پیروی کا حکم حضور سرورِ کائنات دیتے ہیں، آج ہم رو سیاہ سیاہ کار ان کی اہانت پر اُتر آئے ہیں، اُن کی تضحیک ہمارا وتیرہ، اُن پر طعن و تشنیع ہمارا مشرب ہے

بآنکہ سرزد ایں عمل از امتِ نبیؐ ✤ رُوح الامین زروئے نبی گشت شرمسار

دُنیا کا عجب عالم ہے، زاغ وزغن، کرگس و بوم، باز شہباز اور چُرخ، کے منہ آرہے ہیں۔ گرگ در وباہ ان ضیغم نژادوں سے شوخ چشمیاں کر رہے ہیں، جو شاہانِ مطلق العنان کے درباروں میں دھاڑ چکے ہیں۔ آؤ تم کو بھی ہم ان اللہ کے شیروں کی کچھار میں لے کر چلیں، اور اُن کی غراہٹ سُنائیں۔

حطیط زیات، حجاج بن یوسف کے سامنے ایستادہ ہیں، دربار کا ماحول ظلم و قہر سے مملو اور معمور ہے، جلاد تیغ سر فگن لئے موجود۔ حجاج کی تیوری پر بل ہیں، آنکھیں خون برسا رہی ہیں، اِدھر یہ اسدِ نیستانِ علمِ حق اسے حقارت کی نظر سے کھڑا دیکھ رہا ہے۔ حجاج دریافت کرتا ہے "تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟" بے باکانہ جواب دیا جاتا ہے "خدا کا دشمن!" یہ سُنکر وہ تلملا اٹھتا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ امیر المؤمنین بن مروان کی بابت کیا خیال ہے؟" ارشاد ہوتا ہے "اصل تو وہی ہے تُو تو فرع ہے" یہ الفاظ سُنکر سارا دربار لرزہ بر اندام ہے لیکن یہ خدا پرست عالمِ علمِ دین ترکی بہ ترکی جواب دے رہے ہیں۔

علامہ ابو اسحاق شیرازی کا دربارِ فقر و قناعت آراستہ ہے۔ نظام الملک سلجوقی کا وزیر شاہ کے محضرِ نیک نامی پر تحریر لینے آیا ہے۔ اس مولوی کا قلمِ صداقت رقم جنبش میں آتا ہے۔ کاغذ پر تحریر ہے "نظام الملک اور ظالموں سے اچھا ہے"۔

مقامِ منےٰ میں خلیفہ منصور اپنے خدم و حشم کے ساتھ بیٹھا ہے۔ حضرت سفیان ثوری بلائے گئے ہیں۔ منصور کہتا ہے "مجھ سے کچھ درخواست کیجئے"۔ ارشاد ہوا "خدا سے ڈر دنیا تیرے جور و ظلم سے لبریز ہوگئی ہے"۔ پھر خلیفہ درخواست کرتا ہے اور کہتا ہے، "کچھ مانگئے!" ارشاد ہوتا ہے کہ، "مہاجرین اور انصار کی تلوار کی بدولت تو آج اس رُتبہ کو پہنچا اور ان ہی کی اولاد آج بھوکی مر رہی ہے"۔ خلیفہ نے پھر کہا، کچھ طلب کیجئے! فرمایا "حضرت عمرؓ جب حج کو آئے تو دس درہم سے کچھ زیادہ خرچ ہوئے تھے، تو اس قدر مال ساتھ لئے پھرتا ہے کہ باربرداریاں متحمل نہیں ہوتیں" خلیفہ شرمسار ہوتا ہے گردن جھکا لیتا ہے اور یہ پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں

یہ ہیں مولوی، یہ ہیں علماء، یہ ہیں علمِ دین کے حامل، جن سے آج ہم زبان درازیاں اور گستاخیاں کر رہے ہیں:

"تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!"

سعدی شیرازی۔ حافظِ قرآن۔ حدیث و فقہ کا منتہی، علمِ دین کا حامل، سلاطینِ عالم کے درباروں میں ڈکارتا پھرتا ہے۔ شاہ تبریز کے دربار میں کھڑا کہہ رہا ہے:

حلال باد خراجش کہ مزد چوپانیست | شہے کہ حفظِ رعیت نگاہ می دارد
کہ ہر چہ می خورد او جزیت مسلمانیست | وگرنہ راعی خلق است زہر مارش باد

تلوار برست انجیانوے دوبدو اور رُو برُو سرِ دربار کہہ رہا ہے کہ:

کہ شاہانِ عجم کے خسرو و جم | بنقل از اوستاداں یاد دارم
چناں پرہیز کردندی کہ از سم | زسوزِ سینۂ فریاد خواہاں
بہشتِ جاودانی یا جہنم | مقامات از دو بیروں نیست فردا
کہ پیشش مدح گویند از تفاخم | حرامش باد ملک و بادشاہی

مقطع میں اپنی تلخ بیانی اور سنان زبانی پر مہر ثبت کرتے ہوئے کہتا ہے

سخن ملکیت سعدی را مسلم | نہ ہر کس حق تواند گفت گستاخ

جانشینانِ قیصر و کسرےٰ کے منہ پر کہہ رہا ہے:

چو آسائشِ خویشتن بینی و بس | نیاساید اندر دیارِ تو کس
کز و خاطر آزردہ آید غریب | تبہ گردد آں مملکت عنقریب

سر پُر غرور از تحمّل تہی   حرامش بود تاجِ شاہنشہی

شاہانِ ایران کو بچشمِ حقارت دیکھتے ہوئے، سرِ بارگاہ ارشاد ہوتا ہے:

ترا بہ تختہ و تابوت برکشند از تخت   گرت خزانہ و لشکر ہزار خواہد بود
ترا بہ کنجِ لحد سالہا بباید خفت   تن تو طعمۂ ہر مور و مار خواہد بود

یہ ہیں مولوی اور یہ ہے وہ جراءتِ حق گوئی جو علمِ حق انھیں تفویض کرتا ہے۔ نظام المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کے قبادے کبیدہ خاطر ہیں اپنے حجرہ میں ٹہل رہے ہیں اور زبان پر یہ شعر ہے:

اے گربکک چرا نشینی بجائے خویش
باشیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش

یہ ہیں گلیم پوش، یزداں پرست کہ شاہانِ جہان کو للکار رہے ہیں، اور دھتکار رہے ہیں، ان کو بُرا کہنے والے ہم ہیں، دیبا پوش گربہ نژاد ہم جو زبان باہر نکالے دبے پاؤں ہر کاسۂ تہی کی جانب بڑھے چلے جاتے ہیں۔ یہ ہیں مولوی جو دنیائے دوں کو ٹھوکریں مار رہے ہیں اور اُن کو بُرا کہنے والے ہم ہیں سگانِ دہر جو اس عجوزۂ ہزار داماد کے تلوے چاٹ رہے ہیں۔

"بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا"

مولوی بُرے جو شراب کو حرام بتائیں، جُوئے کو شیطانی عمل قرار دیں، عورتوں کی عریانی پر معترض ہوں، حرام کو حرام اور حلال کو حلال کہیں۔ اچھے ہم ہیں، جو شراب کے ٹھیکے لیں، قمار خانوں کی سرپرستی کریں، رشوت کو اپنا حق قرار دیں۔ مولوی بُرے ہیں جو لہو و لعب سے قوم کو منع کریں، موسیقی کو ممنوعاتِ شرعی میں سے قرار دیں۔ الغرض فخری کی تلقین کریں۔ اچھے ہم ہیں جو مخربِ اخلاق، حیا سوز تماشے دکھا کر قوم کو تباہ کریں۔ عاشقانہ گیتوں کے ریکارڈ سے قوم کو محمد شاہ رنگیلے اور ناناشاہ کا متنبے بنائیں۔ اچھے ہم ہیں جو اپنے اسراف کے مظاہرے کرتے، غریبوں کی غربت کو تلخ تر بنائیں۔ مولوی بد سے بدتر، جن کی عورتیں تو کم از کم مسلمانوں کی سی ہیں۔ ہم اچھے جو سر سے پا تک کفر کی مورتی بنے پھرتے ہیں۔ مولوی اسفلِ خلائق جو ثغورِ اسلام کے تحفظ کی برتری بتائیں، ہم اشرفُ الخلائق جو دشمنوں کے لئے جاسوسی کرتے پکڑے جائیں۔ مولوی جہنمی جو پانچ بار بارگاہِ ایزدی میں روزانہ خود بھی جھکیں اور ہم کو بھی رکوع و سجود کی تلقین کریں، ہم بہشت کے حوالہ دار جو اذان اور نماز کے وقت موسیقی سُنیں اور سُنوائیں۔

عزیزو! خودستائی کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور انانیت کی ایک انتہا۔ للہ اُس سے آگے نہ بڑھئے! مبادا ہماری خود فریبی ہمارے ضمیر اس درجہ مُردہ کر دے کہ وہ اچھے کو اچھا اور بُرے کو بُرا سمجھنا ہی چھوڑ دے، یہ مرگِ ملت ہے اور وفاتِ روح، اس موت سے بچو۔

حق یہ ہے کہ مولوی تو بُرے نہیں ہیں، ہماری ذہنی کیفیات ہم کو مجبور کرتی ہیں کہ اُن کو بُرا کہیں۔ ہمارے کفر مشرب ذہن اسلام سے فرار چاہتے ہیں، اسلام کو بُرا کہنے کی ہم میں ہمت نہیں اس حرکت سے ہم خائف ہیں، پس مبلغینِ اسلام کو بُرا کہتے ہیں، ہماری کیفیت اُس بیمار بچے کی سی ہے جو دوا کی تلخی سے گھبرائے اور ڈاکٹر کو بُرا بتائے، ہماری حالت اس لاڈلی بیٹی کی سی ہے، جسے بدپرہیزیوں کی عادت پڑ گئی ہو، اب پرہیز کرنے سے گریز پا ہو اور طبیب میں عیب نکال رہی ہو۔ اسلام پرہیز گاری کا مذہب ہے اور ہم عصیاں پرستی کے عادی۔ اسلام مسرف کو شیطان کا دوست بنائے اور اسراف ہماری گھٹی میں۔

کتبِ احادیث میں ہے کہ ہمارے کمبل پوش حضورِ سرورِ کائنات ایک انصار کے گھر پر بلند گنبد دیکھا تو اُس کا سلام نہ لیا اور ہم اپنے ہائے فلک نما پر گنبد ہائے افراسیاب تعمیر کرنے کے عادی۔ اخبار میں ہے کہ گیہوں کی روٹی کو لگاون کی ضرورت نہیں۔ نیز جس گھر میں سرکہ ہو، اس گھر میں لگاون ہے اور ہمارے حرام خوار حلق مُرغّن اغذیہ بغیر ر نہیں ہوتے۔ سیرۃِ نبوی شاہد ہے کہ ایک شب سرورِ دو عالم صلعم وک سے بیقرار ہو کر گھر سے نکل آئے۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی اس خیال میں پھر رہے تھے، اس کے برخلاف ہم تنورِ شکم دمبدم "نا فتن غلام ہیں۔ یاد رہے روزنا یا فتن بھی سر پر کھڑا ہے۔ غرضیکہ اسلام دنیا دین پر نثار کرنا سکھاتا ہے۔ اور ہم دین کو دنیا پر نثار کرنا اپنا مشرب چکے ہیں۔ اسلام کو ہم سے وُہی دوری ہے جو مچھلی کو خشکی سے، پس جانب دعوت دینے والے کو بُرا کہہ رہے ہیں۔ حضرت علیؓ سے روایت کہ "اگر جہنّمی کو دیکھنا ہو تو اُس شخص کو دیکھو جو خود تو بیٹھا ہوا ور اس کے سامنے کھڑے ہوں"۔ اور ہمارے دروازوں کے باہر سنگل ا دنیا کھڑی رہتی ہے اور ہم اس پر فخر و ناز کرتے ہیں" حضرت عمرؓ عمال کو حکم دیتے تھے کہ خبردار جو مسلمانوں کو حقیر سمجھا اور ذلیل کیا م اُمّتِ محمدی کو اپنے خدام سے ٹھوکریں کھلواتے ہیں۔ اسلامی حکومت میں عامل کے گھر پر دروازہ نہیں لگ سکتا تھا مگر ہمارے وازوں پر حاجب و دربان ایستادہ رہتے ہیں۔ ان حالات میں اس یت کے ہوتے ہوئے اور ان عادات کے پختہ ہو جانے کے بعد م سے ہم نہیں بھاگیں گے، تو اور کون فرار چاہے گا۔ حقیقت یہ ہے لام روشنی ہے اور ہم شب پرک صفت ہو چکے ہیں۔ انصاف سے لیجیے، حقائق کو نظر انداز نہ کیجیے۔ چشمِ حقائق نگر سے اپنے ارد گرد نظر لے اور دیکھیے کہ آیا عریاں نگاری ہم کر رہے ہیں یا مولوی۔ قوم کے نوعمر لڑکے لڑکیوں کو حیا سوز اور جذبات انگیز افسانے ہم مہیا کرتے ہیں یا مولوی؟ نعوذ باللہ من ذالک۔ نقلِ کفر، کفر نہ باشد۔ اپنے ناکارہ خدا کے مانند ایک ملائے حزین، ہماری ماورا۔ دینی کتابوں میں طبع شدہ ملا ہے یا مولویوں کی تصانیف ہیں۔ وہ نو آبادیاں جن کو تانگے والے تک رشوت کالونی کہتے ہیں، اس دورِ ابتلا میں ہم نے تعمیر کی ہیں یا مولویوں نے؟ اپنے عزیزوں کو امپورٹ اور اکسپورٹ لائسنس ہم سپلائی کر رہے ہیں، یا مولوی؟ غیر ملکوں سے ہمارے ہم مشرب افراد کی شکایات لکھی آتی ہیں، یا مولویوں کے نمائندوں کی؟ تبسم فروشی ہماری لپ اسٹک بازحُسن نما عورتیں کرتی پھرتی ہیں یا مولویوں کی بُرقعہ پوش بیبیاں؟ ؎

حق گوئی را زبانِ ملامت بود دراز — حق نیست اینچہ گویم اگر ہست گو بلے

اس سے زیادہ جو ہماری بد اعمالیاں، سیاہ کاریاں، ملّت دشمنیاں اور زر پرستیاں ہیں انھیں سینۂ قرطاس پر لانے سے قلم انکار کرتی ہے، شرمسار ہے اور سرنگوں۔ انسب ہے کہ ہم خود اپنے گریبانوں میں مُنہ ڈالیں، اپنے سینوں کے بدنما داغ دیکھیں، پھر ان علمبردارانِ علمِ دینِ متین کی شان میں لب کشائی کریں۔

ہم یہ تو فرما دیتے ہیں کہ مولوی بُرے ہیں اُن کے نزدیک نہ جانا مولوی سانپ ہیں اُن کے زہر سے دُور رہنا، وہ پاکستان کے دشمن ہیں اور قابلِ نفرت۔ یہ احکامات نافذ کرتے ہوئے ہم حوالہ دارانِ پاکستان نے کبھی یہ بھی سوچا کہ یہ کم بخت جاہل ہنوز خدا پرست اور شریعت کے پیرو عوام اگر مذہبی مسائل دریافت کرنے چاہیں، اگر اپنے بچوں کو کلام اللہ پڑھوانا چاہیں، اگر طلاق، خلع، وراثت اور روزہ نماز کے مسائل معلوم کرنے چاہیں، تو اگر ان مولویوں کے پاس نہ جائیں تو اور کہاں جائیں کونسا در کھٹکھٹائیں؟ کیا ہم اور آپ اُن کو یہ مسائل بتا سکتے ہیں؟ ان کے بچوں کو کلامِ پاک پڑھا سکتے ہیں، اگر ایسا نہیں تو کیا کوئی اور

(باقی بر صفحہ ۲۹)

اصحابِ غار

(علی احمد)

(خوفناک کڑک اور بارش)

یوسف - آؤ ہارون جلدی چلیں!

ہارون - لیکن متّی پیچھے رہا جا رہا ہے۔

یوسف - متّی کا ارادہ ہمارے ساتھ چلنے کا نہیں، وہ قصداً آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔

ہارون - یوسف! یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ ہم اپنے ساتھی کو چھوڑ دیں (آواز دیتا ہے) متّی! متّی!

متّی - (دُور سے) ہارون!

ہارون - وہاں کیا کر رہے ہو؟ جلد ہمارے پاس پہنچو!

متّی - ذرا ٹھہرو!

یوسف - ٹھہریں! کیا اس لئے ٹھہریں کہ ہم اسی وادی میں ہوں، اور سیلاب آ کر ہمیں ہلاک کر دے۔

ہارون - لو وہ آگیا۔

متّی - دوستو! میری رائے تو یہ ہے کہ ہم یہیں ٹھہر جائیں۔

یوسف - لیکن کیا ہم سیلاب کی زد میں نہ آجائیں گے؟ کیا تم ہماری ہلاکت کے درپے ہو؟

متّی - نہیں نہیں، بلکہ تم اپنی غلط رائے سے ہمیں ہلاک کرنا چاہتے ہو۔ یہ ممکن نہیں کہ آتے ہوئے سیلاب سے ہم بھاگ جائیں، ہاں یہ ممکن ہے کہ اُس سے بچ جائیں۔

یوسف - بچنا کس طرح ممکن ہے؟

متّی - دامنِ کوہ کے اس غار میں ہم پناہ لے لیں۔

(سیلاب کی آواز دور سے سُنائی دیتی ہے)

ہارون - سُنو! سیلاب آگیا، وہ اُس کی آواز آرہی ہے۔

متّی - جلدی چلو۔ بچنے کی تیاری کرو!

یوسف - لیکن...... لیکن غار کے مُنہ پر جُھکی ہوئی یہ چٹان؟

متّی - اِس سے کیا ہوگیا؟

یوسف - کیا تمھیں اندیشہ نہیں کہ یہ چٹان گر پڑے اور ہم بند ہو جائیں؟

متّی - یہ چٹان ایک زمانہ سے اِسی طرح ٹھہری ہوئی ہے۔ تو کیا اسے آج ہی ہم پر گرنا ہے؟

یوسف - کسی کو کیا معلوم۔

متّی - اوہ! تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ہم سب مرجائیں گے، اس طرح تمھاری صحبت سے تو نجات مل جائے گی۔

ہارون - چھوڑو بھی یہ جھگڑے کا وقت نہیں، غار کی طرف جلد چلو! جو اللہ کو منظور ہوگا وہی ہوگا۔

(۲)

متّی - دیکھو یوسف! اگر ہم غار میں داخل نہ ہوئے ہوتے تو یہ سیلاب ہمیں آلیتا۔

یوسف - اور اگر اِس چٹان نے گر کر غار کا مُنہ بند کر دیا تو؟

متّی - (تمسخر آمیز قہقہہ لگا کر) تو ہم تمھارے قائل ہو جائیں گے۔

ہارون ۔ تم دونوں کو کیا ہو گیا ہے؟ اس جھگڑے کے بجائے کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم اللہ تعالےٰ کو یاد کریں، اور اس سے دعا کریں کہ ہمارا انجام بخیر فرمائے۔

(چٹان کی اپنی جگہ سے ہلنے کی آواز سنائی دیتی ہے)

ہارون ۔ ارے یہ کیا؟

یوسف ۔ چٹان ہل رہی ہے۔

متی ۔ اللہ تمہارا کہا جھوٹا کرے اور بہتری فرمائے۔

یوسف ۔ لو وہ غار کے منہ پر آپڑی۔

ہارون ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

یوسف ۔ میں نے نہ کہا تھا کہ یہ چٹان اپنی جگہ پر جمی ہوئی نہیں ہے، اور اس کا احتمال ہے کہ گر پڑے۔ متی! اب بتاؤ نجات کی کیا صورت ہوگی؟

متی ۔ اگر ہم وادی میں ہوتے تب تو یقیناً ہلاک ہو جاتے۔

یوسف ۔ اور اب کیا ہماری ہلاکت یقینی نہیں؟

ہارون ۔ بہت جھگڑا ہو چکا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے باہمی نزاع کی وجہ سے ہی اللہ نے ہمیں یہ سزا دی ہے۔

یوسف ۔ تمہیں ہرگز یہ حق نہیں کہ مجھے ہدفِ ملامت بناؤ، مستحقِ ملامت کوئی اور ہے۔

ہارون ۔ یوسف خدا کے لئے اب بھی اپنی زبان بند کرلو۔ متی! تم وہاں کیا کر رہے ہو؟

یوسف ۔ چٹان کو ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں!

متی ۔ یوسف! مجھ سے مذاق نہ کرو۔

یوسف ۔ میں مذاق نہیں کر رہا۔ لیکن اگر سو آدمی بھی چاہیں تو اس پہاڑ کے ٹکڑے کو نہیں ہلا سکتے۔

ہارون ۔ متی یہاں آؤ، میرے پاس بیٹھو! اگر اللہ کا کرم نہ ہوا، تو ہم یقیناً ہلاک ہو جائیں گے۔ یوسف تم بھی میرے قریب آؤ اور اپنا ہاتھ لاؤ۔

یوسف ۔ یہ ہاتھ ہے۔

ہارون ۔ پہلے تم ایک دوسرے کو معاف کرو اور مصافحہ کرو۔ اس لئے کہ اس دلی کدورت کے ہوتے ہوئے، ہم پر اللہ کی نظرِ عنایت نہیں ہو سکتی۔

یوسف ۔ متی! مجھے معاف کردو۔

متی ۔ میں نے معاف کیا، اور یوسف! تم بھی مجھے معاف کردو۔

یوسف ۔ میں نے بھی معاف کردیا۔

ہارون ۔ اب میری بات سنو! میں نے بعض علمائے عارفین سے سنا ہے کہ مصیبت کے وقت قبولیتِ دعا کا سب سے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے نیک اعمال کا وسیلہ اختیار کرکے اللہ سے دعا مانگے۔ اس لئے ہمیں اپنی زندگی کا سب سے بہترین عمل یاد کرکے اس کے ذریعہ اللہ سے دعا مانگنی چاہیئے۔

متی ۔ ہارون! آپ ہی شروع کیجئے۔

یوسف ۔ ہاں آپ ہم تینوں میں زیادہ نیک ہیں۔

ہارون ۔ اللہ ہی کے علم میں ہے کہ کون زیادہ نیک ہے۔ میں تو بہت بڑا گنہگار و خطاکار ہوں اور سوائے اس حسنِ سلوک کے جو میں نے اپنے والدین سے کیا، مجھے اپنا کوئی نیک عمل بھی یاد نہیں۔

متی ۔ اسی کو بیان کرو! اس لئے کہ والدین سے حسنِ سلوک کا عمل

ہیں بڑی فضیلت رکھتا ہے۔

ہارون۔ میری عادت یہ تھی کہ میں جب چراگاہ سے لوٹتا تھا تو میں دودھ دوہنے کے بعد بیوی بچوں سے پہلے اپنے والدین کو پلایا کرتا تھا۔ ایک روز مجھے جنگل میں دیر ہو گئی اور میں کافی رات گئے گھر لوٹا ——— میری بیوی نے کہا:

بیوی۔ ہارون! آج تمہیں دیر کیوں ہو گئی؟

ہارون۔ حنّہ! میں جنگل میں دور نکل گیا۔ والدین کہاں ہیں؟

بیوی۔ انھوں نے بہت دیر تک تمہارا انتظار کیا، بالآخر انھیں نیند آگئی اور وہ سو گئے۔

ہارون ہائے افسوس دودھ پئے بغیر سو گئے!

بیوی۔ لاؤ یہ دودھ مجھے دو! میں بچوں کو پلا دوں، بیچارے بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔

ہارون۔ نہیں حنّہ۔ میں والدین سے پہلے کسی کو نہیں پلا سکتا۔

بیوی۔ یہ دودھ تو بچوں کو پلا دو، اور ان کے جاگنے سے قبل دوبارہ دوہ لینا۔

ہارون۔ میں اپنی دائمی عادت ہرگز ترک نہیں کر سکتا

بیوی۔ تو والدین کو جگا کر یہ دودھ انھیں پلا دو! پھر بچوں کے لئے اور دوہ لینا۔

ہارون۔ یہ بھی مناسب نہیں کہ میں اس وقت اُن کی نیند میں خلل ڈالوں۔

بیوی۔ پھر کیا ارادہ ہے؟

ہارون۔ میں یہیں کھڑا رہوں گا اور جب اُن کی آنکھ کھلے گی تو یہ دودھ پلا دوں گا۔

بیوی۔ یہ کیا کر رہے ہو، دودھ کا برتن پیٹ سے کیوں چپکا رہے

ہارون۔ تاکہ دودھ گرم رہے۔ جاؤ تم بچوں کے پاس جاؤ!

بیوی۔ میں ان کے پاس جا کر کیا کروں گی؟

ہارون۔ انھیں بہلا کر سلا دو!

منتی۔ پھر تمہارے والدین کب جاگے؟

ہارون۔ صبح کے وقت۔

یوسف۔ اور تم ساری رات دودھ کا برتن لئے کھڑے رہے؟

ہارون۔ ہاں، اور میں اس برتن کو کپڑوں کے نیچے اپنے پیٹ سے لگائے رہا۔

منتی۔ ہارون! تم مبارکباد کے مستحق ہو، ہم نے تو آج تک نہیں سنا کسی بیٹے نے اپنے والدین کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہو۔

ہارون۔ (گڑگڑا کر دعا مانگتے ہیں) "اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضا جوئی کے لئے کیا تھا، تو ہم سے مصیبت دور فرما دے"!

منتی۔ ہارون! دیکھو! وہ چٹان کھل گئی۔

یوسف۔ ہاں، وادی نظر آنے لگی۔

ہارون۔ اے اللہ! تیرا شکر ہے۔

منتی۔ لیکن افسوس اب بھی ہم نکل نہیں سکتے۔

ہارون۔ اب تم دونوں اپنے بہترین اعمال کو یاد کرو!

منتی۔ یوسف! تم شروع کرو۔

یوسف۔ نہیں تم شروع کرو۔ تم مجھ سے افضل ہو۔

منتی۔ ہرگز نہیں، بلکہ تم مجھ سے افضل ہو۔

ہارون۔ اچھا کوئی بات نہیں، یوسف تمہیں شروع کرو!

یوسف۔ میں کیا کہوں؟

ہارون۔ جو کچھ تمھیں یاد ہو وہی بیان کردو، اپنے کسی عمل کو حقیر مت سمجھو، اِس لئے کہ اللہ کے نزدیک کوئی چیز حقیر نہیں

یوسف۔ دل میں ایک بات کھٹک تو رہی ہے، لیکن مجھے اُس کے اظہار سے شرم آتی ہے۔

ہارون۔ نیک عمل کے ذکر سے شرمانا نہیں چاہئیے۔

یوسف۔ میری ایک عزیزہ کی عزت سے اُس کا تعلق ہے۔

ہارون۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ یہ راز کسی پر افشا نہ کریں گے۔

یوسف۔ مجھے ایک عورت سے اِتنی شدید محبت تھی، جتنی ایک مرد کو کسی محبوب عورت سے ہو سکتی ہے لیکن چونکہ میں غریب تھا اِس لئے اُس کے سرپرستوں نے دوسرے شخص سے اس کی شادی کر دی اور میری محبت میرے دل ہی میں دفن ہو کر رہ گئی۔ میں نے طلبِ رزق میں جد و جہد کی، حتیٰ کہ میں مالدار ہو گیا۔ مال دار ہو جانے کے بعد میں نے کوشش کی کہ دولت کے ذریعہ اُسے اپنے قبضہ میں لاسکوں، وہ ہمیشہ مجھ سے بچتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک سال قحط پڑا اور طلبِ امداد کے لئے اُسے میرے پاس آنا پڑا —— میں نے کہا:

یوسف۔ خوش آمدید! آج شاید تمھیں اپنے بیقرار عاشق پر رحم آگیا

عورت۔ یوسف! جن ساٹھ دیناروں کا تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا وہ مجھے دیدو!

یوسف۔ پھر کیا تم مجھے اپنے وصل سے سرشار کروگی؟

عورت۔ ہاں، اگر تم چاہو۔

یوسف۔ میری محبوبہ! تب تو تم ایک سو بیس دینار لے لو، اور چاہو تو اِس سے بھی زیادہ۔

عورت۔ نہیں یہی میرے لئے کافی ہیں، بلکہ زیادہ ہیں۔

یوسف۔ اے جانِ تمنّا۔ یہ لو!

عورت۔ یوسف! اللہ تمھیں جزائے خیر دے، میرا شوہر اور میرے بچے تمھارے اِس احسان سے سرشار ہوں گے۔

یوسف۔ یہ وقت شوہر کو یاد کرنے کا نہیں۔

عورت۔ یوسف! کیا تم میرے شوہر سے جلتے ہو، حالانکہ میرا شوہر تم سے نہیں جلتا۔

یوسف۔ یہ کیا کہہ رہی ہو؟

عورت۔ میں نے جب اُس سے تمھارے پاس آنے کی اجازت مانگی تو اُس نے اجازت دیدی۔

یوسف۔ اُس نے تمھیں اجازت دیدی۔

عورت۔ ہاں، اور ایسی حالت میں اجازت دی کہ بچوں کے بھوکے مرجانے کے خوف سے اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے اشکبار تھیں۔

یوسف۔ تب تو گویا اس کی طرف سے بھی پروانہ مل گیا۔ اے تسکین رُوح آؤ، اب لطف اُٹھائیں۔

عورت۔ (آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں) جیسی تمھاری مرضی۔

یوسف۔ لیکن تم روکیوں رہی ہو؟

عورت۔ مجھے پروردگارِ عالم کا ڈر محسوس ہو رہا ہے۔

یوسف۔ ہائے بدبختی، مجھ سے بڑھ کر کون کافرِ نعمت ہوگا۔ تمھیں اِس تنگدستی میں بھی اللہ کا خوف ہے اور مجھے اِس فراخی کے باوجود اللہ کا خیال نہیں، خدا کی قسم میں تمھارے کپڑے کو بھی ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

عورت ۔ یوسف! تو یہ مال واپس لے لو!

یوسف ۔ ہرگز نہیں، میں نے اللہ کے لئے یہ مال تمھیں بخشا۔ جاؤ اپنے بچوں کے پاس جاؤ۔

عورت ۔ لیکن مال دیکھ کر میرا شوہر یہ سمجھے گا کہ ……..

یوسف ۔ مجھے تمھارے شوہر کی کوئی پرواہ نہیں، میں اس سے نہیں ڈرتا، میں تو پروردگارِ عالم سے ڈر رہا ہوں۔

منتی ۔ اور پھر وہ مال لے کر چلی گئی؟

یوسف ۔ ہاں اور میری یہ کیفیت تھی کہ شدتِ عشق و اشتیاق سے میرا دل پگھلا جا رہا تھا۔

(گڑگڑا کر دعا مانگتا ہے) اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام صرف تیری رضاجوئی کے لئے کیا تھا، تو ہم سے اس مصیبت کو دور فرما دے۔

منتی ۔ (چلا کر) وہ چٹان سرک رہی ہے۔

ہارون ۔ اللہ کا شکر ہے۔

منتی ۔ لیکن افسوس نکلنا اب بھی مشکل ہے۔

ہارون ۔ منتی! اب تمھاری باری ہے۔

منتی میرے پاس سوائے ایک عمل کے اور کوئی ایسا عمل نہیں، جو اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہو سکے، میں چاہتا تھا کہ یہ راز میرے اور میرے پروردگار کے درمیان ہی محفوظ رہے۔

یوسف ۔ اس کو بیان کر کے اللہ سے دعا مانگو۔

منتی ۔ کافی عرصہ گزرا کہ میرے پاس کچھ زمین تھی، ایک روز میں نے اس زمین میں کام کرنے کے لئے کچھ مزدور لگائے، دن ختم ہونے کے بعد میں نے سب کو مزدوری دیدی، صرف سلیمان نامی ایک شخص تھا جس نے پیسے کم ہونے کا عذر کر کے اجرت قبول نہ کی، میں نے اسے اور زیادہ دینا چاہا، لیکن وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا اور چلا گیا۔ مجھے اس سے سخت صدمہ ہوا، میں نے اسے بہت ڈھونڈا لیکن اس کا کوئی پتہ نہ چلا، میں نے سوچا اس کی رقم کاشتکاری و باغبانی میں لگادوں، خدا کی قدرت کہ اس میں برکت ہوئی اور کافی پھل پھول گئی، اسی دوران میں اچانک تباہی آئی، اور میرے پاس سلیمان کے مال کے علاوہ کچھ باقی نہ رہا۔ میری بیوی مجھے اس مال کو اپنے تصرف میں لانے کی ترغیب دلاتی رہی۔ میں نے کہا:

منتی ۔ ناممکن! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں اس مال کو اپنے مصرف میں لاؤں، یہ تو اس مزدور کا مال ہے۔

بیوی ۔ تمھاری کوششوں سے ہی تو یہ بار آور ہوا ہے۔

منتی لیکن اصل حق اسی کا تھا، اللہ نے اس میں برکت دی، اور اگر میں اپنے مال میں اسے ملا لیتا تو اس تباہی میں یہ بھی ختم ہو جاتا۔

بیوی ۔ اس کے جانوروں میں سے صرف ایک بکری ہی لے لو، تاکہ ہم اس عید کے موقع پر بچوں کے لئے کچھ خرید سکیں۔

منتی ۔ خدا کی قسم جب تک اس کا اصل مالک نہ آجائے، میں اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔

بیوی ۔ تو وہ کب آئے گا؟ ہو سکتا ہے کہ مر گیا ہو۔

منتی ۔ اگر وہ مر گیا ہو، تب بھی ہو سکتا ہے کہ کبھی اس کے ورثا مجھے مل جائیں۔ میں یہ انھیں دیدوں گا۔

یوسف ۔ پھر کیا وہ شخص آیا؟

(باقی بر صفحہ ۲۵)

صحبتِ عارفین

بلال رضؓ بن رباح

(محمد مظہر بقا)

نبوت کے قافلے میں....... جب حضرت جبریلؑ آیا کرتے تھے

اہلِ حق کی جماعت میں....... جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے

ایک حبشی غلام "بلال رضؓ" نے برگزیدہ لوگوں میں اپنا مقام حاصل کیا۔ اُن کی غلامی نہ اس بات کے لئے مانع ہوئی، کہ وہ اللہ کے لئے اپنی روح کو آزاد کریں، اور نہ اِس بات کے لئے کہ وہ رسول اللہ صلعم کے خازن اور مؤذن ہوں۔

حضرت بلال رضؓ کو دعوتِ محمدی میں کسی دنیاوی مال و دولت کی جھلک نظر نہ آئی تھی، جس کی خاطر وہ مسلمان ہوئے ہوں۔ وہ تو ایسے وقتِ عسرت میں مسلمان ہوئے تھے، جب ہر اسلام لانیوالے پر مصائب کا نزول ہو رہا تھا۔

لا الٰہ الا اللہ کا عقیدہ ایک جوش کی صورت میں موجزن تھا۔ جوش تھا انسان کو اپنے نفس پر ظلم کے خلاف، تاکہ انسان اللہ کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی پرستش نہ کریں۔ جوش تھا انسان کے اپنے بھائی پر ظلم کے خلاف، تاکہ لوگ اللہ کے حکم کے مطابق عدل و انصاف سے کام لینے لگیں۔ حضرت بلال رضؓ نے اپنے نفس پر اتنا ظلم نہ کیا، جتنا دوسروں نے اُن پر ظلم کیا۔

حضرت بلال رضؓ اُن سات اصحاب میں سے تھے، جنھوں نے ابتدأً اسلام کو سربلند کیا، اور اس قدر تکالیف برداشت کیں کہ کسی دوسرے شخص کو ایسی تکالیف سے سابقہ نہیں پڑا۔ اور ان تکالیف میں غلام ہوتے ہوئے اِتنی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا کہ آزاد بھی اُن کا مقابلہ نہ کر سکے۔

حضرت عبد اللہ رضؓ فرماتے ہیں، جو سات اصحاب تھے جنھوں نے ابتداءً اسلام کو پروان چڑھایا۔ رسول اللہ صلعم۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ۔ حضرت عمار بن یاسر رضؓ اور اُن کی والدہ حضرت سمیہ رضؓ حضرت صہیب رضؓ۔ حضرت بلال رضؓ۔ حضرت مقداد رضؓ۔ رسول اللہ صلعم کی امداد تو اللہ نے آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعہ فرمائی۔ حضرت ابوبکر کی حمایت ان کی قوم نے کی اور باقی ماندہ لوگوں کو مشرکین نے پکڑا انھیں لوہے کی زنجیریں پہنائیں، دھوپ کی تمازت اور شدت میں تپتی ہوئی ریت پر برہنہ جسم لٹایا۔ اور ان سب سے بھی ہر ایک کی کسی نہ کسی شخص نے مدد کی، مگر ایک بلال رضؓ تھے جنھوں نے اللہ کے لئے بڑی مشقتیں برداشت کیں۔ مشرکین ان کے ساتھ اِس قدر ذلت کا برتاؤ کرتے تھے کہ انھیں اپنے بچوں کے حوالے کر دیتے اور بچے انھیں مکہ کی گلیوں میں لے پھرتے تھے۔ لیکن اِس حال میں بھی اُن کے مُنہ سے صرف احد احد نکلتا تھا۔

مشرکین نے حضرت بلال کی ایذا رسانی میں یہ خصوصیت کیوں برتی؟ صرف دو مقاصد کے لئے۔ ایک اِس خیال سے کہ وہ ان کے مخالف عقیدہ کو ترک کر دیں، دوسرے اِس لئے کہ اُن کی تذلیل کرکے وہ اپنے انتقامانہ جذبات اور غیظ و غضب کو تسکین دے سکیں۔ ترکِ عقیدہ کے بجائے حضرت بلال رضؓ کی ثابت قدمی نے اُن کے اشتعال کو انتہا تک بھڑکا دیا اور اس طرح اُن کا پہلا خیال پورا نہ ہو سکا۔

ان کا دوسرا ارادہ اس طرح پورا نہ ہوسکا کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے حضرت بلال رضؓ کو خریدا اور آزاد کر دیا۔ اسمٰعیل بن قیس رحؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے بلال رضؓ کو پچاس اوقیہ میں ایسی حالت میں خریدا تھا جبکہ وہ گرم ریت پر وزنی پتھروں کے نیچے دبے ہوئے تھے، مشرکین نے حضرت ابوبکر رضؓ سے کہا کہ اگر تم اس کی ایک اوقیہ قیمت دیتے تب بھی ہم اُسے تمھارے ہاتھ فروخت کر دیتے۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا اگر تم اُسے سو اوقیہ میں بیچتے، تب بھی میں اسے خرید لیتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی حضرت بلال رضؓ پر اعتماد فرمایا ہے۔ اور جب نبی صلعم نے آپ پر اعتماد کیا، تو آسمان والوں نے بھی آپ پر اعتماد کیا۔ حضرت بلال رضؓ کے لئے یہ بہت بڑی فضیلت تھی، جو صرف اللہ کے محبوب بندوں کو نصیب ہوتی ہے۔

حضور صلعم نے انھیں اپنا خازن مقرر فرمایا۔ عبداللہ ہوازنی رضؓ فرماتے ہیں کہ "میں حضرت بلال رضؓ سے ملا اور اُن سے میں نے دریافت کیا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصارف کی کیفیت بتاؤ" آپ نے فرمایا "حضور صلعم کے پاس کوئی مال نہ تھا، بعثت سے وفات تک میں ہی حضور صلعم کا خازن تھا۔ جب بھی کوئی مسلمان آپ کے پاس اس حال میں آتا کہ اُس کے پاس کپڑے نہ ہوں تو آپ مجھے حکم فرماتے میں جا کر کسی سے قرض لیتا، اُسے کھانا کھلاتا اور چادر خرید کر اُسے کپڑے پہنا دیتا۔"

حضرت بلال رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خازن تھے
.......وہ کونسا خزانہ تھا جس کے خازن حضرت بلال رضؓ تھے؟...
......صرف تنگدستی، پاکدامنی اور حُسنِ اخلاق کا خزانہ!

ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلعم حضرت بلال رضؓ کے پاس تشریف لائے، حضرت بلال رضؓ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا رکھا ہوا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا "اے بلال یہ کیا ہے؟" بلال رضؓ نے عرض کیا "میں نے یہ آپ کے اور آپ کے مہمانوں کے لئے رکھ چھوڑا ہے" حضور نے فرمایا "کیا تمھیں اس کا خوف نہیں کہ کھجوروں کا یہ ٹوکرا میرے لئے دوزخ کا ایندھن ہو۔ اے بلال خرچ کئے جاؤ اور عرش کے مالک کی جانب سے کمی کا خوف نہ کرو۔"

حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا "مجھے اللہ کے بارے میں خوف زدہ کیا گیا اور اس قدر کہ کسی دوسرے شخص کو اتنا خوف زدہ نہیں کیا گیا۔ اور مجھے اللہ کے راستے میں تکالیف دی گئیں اتنی کہ کسی شخص کو اتنی تکالیف سے سابقہ نہ پڑا۔ اور مجھ پر تیس دن و رات ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال رضؓ کے کھانے کے لئے سوائے اس مقدار کے کچھ نہ ہوتا تھا، جسے بلال رضؓ اپنی بغل میں چھپا لیتے تھے۔"

حضرت بلال رضؓ نے ان حالات میں آغوشِ نبوت میں پرورش پائی اور اس طرح اخلاقِ نبوی سے فیضیاب ہوئے۔ اسی لئے اگر حضور صلعم نے اُن سے ایسے امور کا مطالبہ کیا جن کا دوسرے صحابہ رضؓ سے مطالبہ نہیں کیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ درانحالیکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے "بہترین مال وہ ہے جو نیک آدمی کے پاس ہو" لیکن حضرت بلال رضؓ سے حضور صلعم نے یہ فرمایا "اے بلال! فقیر ہو کر مرنا، غنی ہو کر نہ مرنا"

یہ خصوصیت آپ نے حضرت بلال رضؓ جیسے شخص سے برتی جنھیں اللہ نے آپ صلعم کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ حضور صلعم اپنے عزیز ترین اصحاب سے اسی قسم کی خصوصیت برتا کرتے تھے تاکہ وہ لینے کے بجائے دیتے رہیں، اور اللہ کی بارگاہ میں سُبکبار ہو کر جائیں۔

جب حضور صلعم نے حضرت بلال رضؓ سے یہ فرمایا کہ "اے بلال! فقیر

ہو کر مرنا غنی ہو کر نہ مرنا"۔ تو حضرت بلال رضؓ نے عرض کیا کہ یہ کس طرح ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا "جو کچھ تمھیں ملے اُسے چھپا نہ رکھو، اور جب تم سے سوال کیا جائے تو دینے سے مت رُکو"۔ حضرت بلال رضؓ نے عرض کیا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا "یہی ہوگا ورنہ دوزخ ہے"۔

حضرت بلال رضؓ نرم دل اور صاف باطن تھے۔ ہمیشہ اللہ کے ذکر و فکر میں مستغرق رہتے تھے۔ رسول اللہؐ فرماتے ہیں "میں نے جنت میں اپنے آگے کسی کے قدموں کی آواز سُنی تو میں نے دریافت کیا کہ آگے کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ بلال ہیں"۔ پھر حضورؐ نے حضرت بلال سے دریافت کیا "تم جنت میں مجھ سے آگے کیسے پہنچے؟"۔ حضرت بلال رضؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ میں نے جب بھی کوئی حدیث بیان کی تو پہلے وضو کیا اور جب وضو کیا تو اللہ کا فرض سمجھ کر دو رکعت نماز پڑھ لی"۔

حضرت بلال رضؓ دائم الوضو رہتے تھے اور صرف اسی ایک بات سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ سے اُن کو کیسا تعلق تھا۔

حضرت بلال رضؓ بلند آواز تھے۔ رسول اللہ صلعم کو آپ کی آواز بہت پسند تھی اور اسی آواز کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے حضرت بلال رضؓ کو اس عزت سے سرفراز فرمایا، جو اور کسی کو نصیب نہ ہوئی آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اذان دی، اور اسلام کی آواز سب سے پہلے ایک حبشی نو مسلم غلام کے مُنہ سے اِس لئے بلند ہوئی تاکہ لوگ آپ کے مرتبے سے واقف ہو جائیں اور یہ جان لیں کہ گورے کو کالے پر کوئی فوقیت نہیں، اور رنگ و نسل اسلام میں کوئی چیز نہیں۔

حضرت ابوبکر رضؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت بلال رضؓ نے سفرِ شام کی تیاری فرمائی۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا "بلال! میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم ہمیں اس حال میں چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔ تمھیں ہمارے پاس ٹھہر کر ہماری اعانت کرنی چاہیئے!"

حضرت بلال رضؓ نے جواب دیا "اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے اللہ کی طرف جانے دیجئے اور اگر آپؓ نے اپنے لئے آزاد کیا ہے، تو اپنے پاس روک لیجئے!"

حضرت ابوبکر رضؓ نے یہ سُنکر آپ کو اجازت دیدی، اور پھر آپ ملک شام چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

اللہ تعالےٰ آپ سے راضی ہو، جنت میں آپ کو راضی فرمائے اور ہمیں زمرۂ صالحین میں اُن سے ملائے۔ آمین ✤

تصحیح

قارئینِ کرام تذکرہ ماہِ اگست صفحہ ۲۷ پر غزل میں دو اغلاط کی تصحیح فرمالیں:

تیسرا شعر پہلا مصرعہ:- "نا عرفناک! وہ کہتا ہے جو اس سے مل گیا"

چوتھا شعر دوسرا مصرعہ:- "ہے سکونِ دل کا ساماں، تو اسی محفل میں ہے"

ہندوستان میں "تذکرہ"

کے طالب حضرات سالانہ قیمت "اشتیاق بُک ڈپو" دیوبند کو ارسال فرما کر اپنے نام "تذکرہ" جاری کرا سکتے ہیں۔

رسالہ نہ ملنے کی شکایت ۱۰ تاریخ تک دفتر میں آنی چاہیئے، ورنہ تعمیل سے معذوری ہے

مؤذنِ اعظم

(آغا صادق)

مشک و عنبر کی آبرو کیا ہے
آبِ حیواں کی جستجو کیا ہے
کیوں حرم کو غلاف پہناؤں
سنگِ اسود کی کیوں قسم کھاؤں

دل بلاؤں سے پائمال ہو کیوں
آرزوئے شبِ وصال ہو کیوں
دل میں لیلےٰ سما نہیں سکتی
مجھ کو مجنوں بنا نہیں سکتی

خالِ مشکیں پہ کیوں مٹا جاؤں
دامِ گیسو میں کس لئے آؤں
ذکرِ پاکِ بلال رضؓ کیوں نہ کروں
راہِ الفت میں کیوں قدم نہ دھروں

شوق کا جب وفور ہوتا ہے
ظلمتوں میں بھی نور ہوتا ہے
بارشیں مجھ پہ ہیں نگاہوں کی
جاگ اُٹھیں قسمتیں گناہوں کی

کیوں نہ آنکھوں میں نور آجائے
کیوں نہ دل میں سرور آجائے
کشورِ حسن و عشق کی حد ہوں
عاشقِ عاشقِ محمد ﷺ ہوں

وہ بہارِ حدیقۂ نبوی
وہ فروغِ چراغِ مصطفوی
نسخۂ عشق کا وہ پہلا باب
سازِ وحدت پہ لرزشِ مضراب

چاک تھا جس کا نے نیازِ رفو
ماسوا سوز جس کا نعرۂ ہو
خیلِ باطل کے وہ ستم سہنا
جوشِ حق میں "احد احد" کہنا

رازِ توحید کا امیں تھا، جو
خاتمِ عشق کا نگیں تھا، جو
جس کو مشتِ مے الست کہیں
حرفِ رنداں میں مے پرست کہیں

چاشنی خوردۂ زلالِ وصال
بندۂ پاکباز، ہاں وہ بلال رضؓ
رنگ اس کا تھا اگر سیاہ تو کیا
تھا وہ اک فردِ ملتِ بیضا

اُس کے دل میں تھا نورِ ایمانی
سجدہ افروز اُس کی پیشانی
حجتِ حق کا اک گواہ تھا وہ
زمزمہ سنجِ لا الٰہ تھا وہ

اُس کا نغمہ تھا اِنَّ اَکرَمَکُم
امتیازاتِ لا الٰہ میں گم
گورے کالے کی کچھ تمیز نہیں
رنگ اور نسل کوئی چیز نہیں

مشرق و مغرب و جنوب و شمال
چھا گیا سب کے دل پہ ایک خیال
کثرتیں مٹ کے رہ گئی وحدت
مل کے قومیتیں بنی ملت

کوئی رومی یہاں نہ ہے شامی
صِبغَۃَ اللہ رنگ اسلامی

سرزمینِ مصر کا ایک اصلاحی قصہ — سترھویں قسط

نجمہ

(معراج محمد، بارق)

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

نجمہ نے اگرچہ گمراہانہ روش چھوڑ کر "انجمن بنات المسلمین" میں شرکت کر لی تھی، لیکن وہ ایک مرتبہ اپنی والدہ زینت بیگم کے اصرار پر اُن کی منعقد کردہ ایک محفل میں چلی گئی، وہاں محسن نے غلطی سے اُسے نئے فیشن کی لڑکی سمجھ کر اس کی والدہ کو رشتہ پر راضی کر لیا۔ شادی کے کافی عرصہ بعد محسن کو معلوم ہوا کہ نجمہ پردہ و دیگر دینی اُمور کی پابندی کرتی ہے۔ اس پر وہ بہت پریشان ہوا۔ کافی سوچ بچار کے بعد اُس نے ارادہ کر لیا کہ وہ اُسے ان دینی پابندیوں سے آزاد کرا کے رہے گا۔

محسن کو یہ نیک ارادہ کئے ابھی دو دن ہی گزرے تھے کہ اس کو زینت بیگم کی طرف سے ایک "امدادی محفلِ طرب" میں شرکت کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ امداد الغربار کے عنوان سے وہ اِس قسم کی محفلیں ہر سال منعقد کیا کرتی تھیں۔

جب دعوت نامہ ملا، اُس وقت وہ دفتر جانے کی تیاری میں مصروف تھا اور اُس کی بیوی اس کے قریب ہی بیٹھی اخبار کا مطالعہ کر رہی تھی۔ محسن نے یہ دعوت نامہ خادم سے لیتے ہی سوچ لیا کہ ارادہ پر عمل کرنے کا وقت آن پہنچا ہے، نجمہ کو اُس کے خیالات کے خلاف آمادہ کرنے کا اِس سے بہتر موقعہ اور کونسا ہو گا۔

یہ سوچتے ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوا اور دعوت نامہ کے کارڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا:

——— امید ہے کہ آپ کو پہلے ہی والدہ صاحبہ سے اِس کی خبر مل گئی ہو گی؟

نجمہ جو اب تک اخبار پڑھنے میں مشغول تھی، سر اُٹھا کر پوچھنے لگی!

کس کی خبر؟

محسن نے اُس کی دینی پابندی سے تجاہل برتتے ہوئے کہا:

——— انھوں نے رات کو ایک امدادی محفل منعقد کی ہے سُنا ہے بڑی شاندار مجلس جمے گی۔

پھر ہاتھ کھینچے کرتے ہوئے کہنے لگا۔

——— شاندار کیوں نہ ہو گی، جب کہ میری حسین و جمیل بیوی اُس میں شریک ہو گی۔

نجمہ خاموش اُس کی یہ باتیں سنتی رہی، یہ آخری جملہ سُنکر اس نے بھویں سکیڑ لیں اور گزشتہ واقعات یاد کرنے لگی، پھر نہایت آہستگی سے جواب دیا:

——— میں تو ایسی محفلیں بہت دیکھ چکی ہوں، میرا اب ان سے دل بھر گیا ہے، مجھے ان میں کچھ لطف محسوس نہیں ہوتا۔

محسن کو اُس سے اِسی قسم کے جواب کی توقع تھی۔ لیکن اُس نے تجاہل کو اسی طرح برقرار رکھا، تا کہ اُس کے دل کا حال اور معلوم ہو سکے بڑی نرمی اور ملائمت سے کہنے لگا:

——— تمہارا دل خواہ کتنا ہی بھر گیا ہو، لیکن تمھیں میرے ساتھ ضرور

جاتا ہوگا۔

پھر اس کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا اور بڑی محبت سے کہا:

——کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اس محفل کی صدارت تمہاری والدہ کریں گی، لہٰذا وہاں میرے ساتھ تمہارا ہونا کتنا ضروری ہے؟

نجمہ یہ سُنکر بے اختیار ہنس پڑی، اور پوچھنے لگی:

——کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ میری والدہ اس کی صدارت کرتی ہیں؟

محسن یہ سُنکر بڑا متعجب ہوا، حیرت میں بولا،

——تو اور کون کرتا ہے؟ اس میں بھی کیا کسی شک کی گنجائش ہے؟

——افسوس آپ کو ظاہری حالات دیکھ کر یہ غلط فہمی ہوگئی ہے!

——ظاہری حالات؟ کیا مطلب؟

——درحقیقت میری والدہ سوائے ایک کٹھ پتلی کے وہاں اور کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، وہ غیر ملکی اقتدار پسندوں کے ہاتھ میں آلۂ کار بنی ہوئی ہیں، خواہ انھیں اس بات کا شعور ہو یا نہ ہو۔

اُس نے حیران ہو کر پھر کہا،

——میرے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ نہ معلوم تمہارا مطلب کیا ہے؟

——مطلب یہ ہے کہ ان کی انجمن جو قدم بھی اُٹھاتی ہے اور ان نام نہاد "امدادی محفلوں" میں جو بھی عریانی اور فحاشی کے مظاہرے ہوتے ہیں —— وہ سب ان ہی غیر ملکی سیانوں کی کارستانیاں ہیں اور انہی کے بوئے ہوئے درخت کے پھل ہیں۔ اور ان کا مقصد سوائے ہمارے دین کو تباہ کرنے اور غیر محسوس طور پر ہمارے تہذیب و تمدن کو مٹانے کے اور کچھ نہیں ہے۔ آج رات جو مجلس ہوگی وہ ان ہی اغراض و مقاصد کی حامل ہے۔

اپنی بیوی کا یہ دینی شغف دیکھ کر محسن کو بہت کوفت ہوئی لیکن اُس نے ضبط اور برداشت سے کام لیا اور مکر و فریب کا لبادہ اوڑھ کر اُسے وہاں چلنے پر راضی کرنے لگا۔ اُس نے بہت سادہ لوح بنتے ہوئے کہا:

——تمہاری ان باتوں کی وجہ سے میرا شوق اور بھی بڑھ گیا ہے وہاں میں دیکھوں گا کہ کیا کیا ہوتا ہے؟ مجھے امید ہے کہ تم میری خاطر اس مرتبہ ضرور چلوگی۔

نجمہ کو محسن کا ایک وعدہ یاد آگیا کہنے لگی:

——جب ہم یہاں کوٹھی میں آئے تھے، تو کیا آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں کسی قسم کا کھیل تماشہ اُس وقت تک نہ دیکھوں گا جب تک تم اُسے پسند نہ کروگی، اور نہ کسی محفل یا مجلس میں شرکت کروں گا۔

اُس نے حافظہ پر ذرا زور دیا، اور اپنا وعدہ یاد کرکے بولا:

——لیکن اب میں بہت مجبور ہوگیا ہوں، میری بڑی خواہش ہے کہ وہاں تم میرے ساتھ چلو......کیا تم میری پیاری وفادار بیوی نہیں ہو؟

جب نجمہ نے اُس کا یہ طرز گفتگو دیکھا، تو اُس کے دل میں رضامندی کے کچھ کچھ آثار پیدا ہونے لگے، کیونکہ "وفادار بیوی" کے الفاظ سُنکر اُسے شوہر کی فرماں برداری کے متعلق دینی احکام یاد آگئے لیکن ابھی وہ اپنی رضامندی کا اظہار کرنے ہی والی تھی کہ معاً اُسے خیال آیا کہ اس طرح تو خدا کے حکم کی نافرمانی ہوگی —— وہ عجیب پیچیدگی میں پڑگئی......سوچ رہی تھی کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ —— اطاعت کرے تو کس کی کرے؟....خاوند کی یا خدا کی؟

بالآخر کافی سوچ بچار کے بعد اُسے ایک حدیث یاد آگئی جس سے اُس کے ذہن کی ساری اُلجھن دور ہوگئی۔ حضورؐ نے فرمایا ہے

کہ "جس کام میں خالق کی معصیت ہو، اُس میں مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں" یہ بات ذہن میں آتے ہی اُس کے دل و دماغ کو سکون مل گیا، اور اُس نے محفل میں نہ جانے کا تہیہ کرلیا۔

یہ سوچ کر وہ اپنے خاوند کو سمجھانے بجھانے کے لئے آمادہ ہوئی، اس نے اخبار کو لپیٹ کر ایک ہاتھ میں تھام لیا اور اپنے خاوند کی طرف متوجہ ہو کر بولی:

—— بے شک ازدواجی زندگی کی خوشی اور اس کا اصل لطف اسی میں ہے کہ میاں بیوی کے مابین محبت اور وفا قائم رہے.... لیکن بدقسمتی سے اس محبت کے ساتھ ساتھ کچھ ذاتی رجحانات و میلانات بھی انسان میں موجود ہوتے ہیں، جو اس میں تھوڑا بہت فرق پیدا کر دیتے ہیں —— خصوصاً جب کہ اُن میں سے کسی ایک کا رجحان خدا کی اطاعت کی اطاعت کی جانب ہو اور دوسرے کا اس کے برخلاف۔

اُس نے جرأت و ہمت سے کام لے کر اپنی گفتگو کو جاری رکھا اور نہایت واضح الفاظ میں کہنے لگی:

—— میرے پیارے محسن! وقت آگیا ہے کہ میں آپ سے واضح الفاظ میں بیان کر دوں کہ دراصل یہ خدا کی اطاعت کا جذبہ ہے جو مجھے آپ کے ساتھ —— محفل جانے سے روکتا ہے، نہ صرف اس محفل میں بلکہ ہر اُس جگہ جہاں دینی تعلیمات کے خلاف عمل ہوتا ہے"

یہ کھری کھری باتیں سننے کے بعد محسن کے غم و غصہ کا حال مت پوچھئے اور نہ اس اندوہناک صدمہ کے بعد اس کی کوئی بات سننے کی کوشش کیجئے۔

اور وہ اب کہہ بھی کیا سکتا ہے، جب کہ وہ اپنی بیوی کی طرف سے مایوس ہو گیا، اس کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اور اب اُس کے روبرو گویا ایک دیندار اور "زاہد خشک" بیوی تھی۔

اِس کے بعد اُس نے کوئی بات نہیں کی، حتیٰ کہ اس کی طرف دیکھا تک نہیں.......... غصہ میں یکدم کھڑا ہوا اور پہلی مرتبہ غم و افسوس کی حالت میں سر لٹکائے دفتر جانے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

وہاں پہنچکر اس کے دماغ میں وہ تمام باتیں چکر لگانے لگیں، جو آج نجمہ سے سُنیں تھیں، وہ ان پر سنجیدگی سے غور کرنے لگا کہ آئندہ کیا قدم اُٹھایا جائے۔ وہ دل ہی دل میں خود ہی سوال کرتا، اور خود ہی جواب دیتا۔ وہ سوچ رہا تھا:

—— کیا میں اپنی بیوی کو چھوڑ دوں؟ جب کہ یہ اور باتوں میں میری پوری طرح وفادار ہے، بلکہ میرا وہ ہر طرح خیال رکھتی ہے۔

—— نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا!

—— کیا میں اُس کے اصول و نظریات کو اپنا سکتا ہوں؟

—— یہ بھی کسی طرح ممکن نہیں! میں ان نیرنگیوں سے پُر زندگی کے لذائذ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

—— میں اس کو چھوڑ کر اکیلا ان محفلوں میں کیوں نہیں چلا جاتا؟

—— اِس لئے کہ میں........ ایک اپٹوڈیٹ انسان ہوں مجھے یہ چیز زیب نہیں دیتی۔

—— پھر آخر اس معاملہ کا حل کیا ہو؟ ہمارے اختلاف کی یہ خلیج کس طرح پُر ہو؟

—— مجھے تو سوائے اِس کے اور کوئی حل نظر نہیں آتا کہ میں طرح طرح کے طریقوں سے اس کو بہلاؤں پھسلاؤں تاکہ کم از کم آج کی رات تو وہ میرے ساتھ چلی چلے، اِس کے بعد معاملہ بالکل آسان ہو جائیگا۔

پھر محسن جب گھر واپس آیا، تو وہاں اس نے اپنی بیوی کو اسی طرح خوش و خرم اور زیب و زینت سے آراستہ پایا۔ یہ بھی اسی طرح پیار و محبت سے پیش آیا، دونوں نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد محسن اکثر

سوبا کرتا تھا، چنانچہ اس نے اپنے غور کردہ حل پر سونے کے بعد عمل کرنے کا ارادہ کیا۔

شام کے وقت محسن محفل جانے کے لئے تیار ہو گیا، اُس وقت اُس کی بیوی پہلی منزل کے ملاقاتی کمرہ میں اپنی کچھ سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ لہٰذا وہ زینہ سے متصل ہال میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد جب اُس کو اوپر آتے دیکھا تو مُسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھا، اور نہایت سکون و اطمینان سے اُسے "پیانو" کے قریب رکھی ہوئی ایک مسہری کے پاس لے آیا، اور نشست اس طرح پر رکھی کہ گویا بہت اہم معاملہ پر گفتگو کرنی ہو۔

اظہارِ محبت کے لئے محسن نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دباتے ہوئے نہایت نرمی و شفقت سے کہنا شروع کیا:

—— پیاری نجمہ! آج صبح تم نے جو باتیں کیں میں نے ان پر خوب اچھی طرح غور و فکر کیا، خصوصاً میاں بیوی کے نظریاتی اختلاف اور اُس کے بد نتائج پر"

نجمہ یہ سنجیدہ باتیں سُن کر ذرا دل میں ٹھٹکی اور اس نے محسوس کر لیا کہ مرحلہ نازک ہے۔ محسن نے اسی انداز سے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھا کہنے لگا:

—— چونکہ یہ اختلاف دو جدید تعلیم یافتہ زن و شو کے درمیان ہے اور دونوں ہمعصر ہونے کے علاوہ علومِ جدیدہ کی روشنی سے بھی بہرہ ور ہو چکے ہیں، لہٰذا میرا خیال ہے کہ باہمی الفت و محبت برقرار رکھنے کے لئے اِن نظریاتی اختلافات کو حل کرنے کی ایک آسان ترکیب ہو سکتی ہے

یہ جملے سُن کر نجمہ کچھ کھسیانی سی ہوئی، سوچنے لگی، شاید اس کے تحت محسن کا کوئی مخفی مقصد ہے۔ گھبرا کر پوچھنے لگی:

—— وہ کیا؟

اُس نے نجمہ کو معنی خیز نظروں سے ایک لمحہ دیکھا اور مُسکرا کر کہا:

—— یہی کہ تم اپنی یہ دقیانوسی عادات اور فرسودہ رسومات چھوڑ دو!

پھر وہ نجمہ کی بڑبڑاہٹ سُن کر کچھ دیر ٹھہر گیا۔ نجمہ بڑبڑاتے ہوئے مُنہ ہی مُنہ میں کہہ رہی تھی —— "دقیانوسی عادات اور فرسودہ رسومات کیسے کھوکھلے الفاظ ہیں جو اسلام کی قدر و عظمت سے ناآشنا لوگ منہ سے نکالتے ہیں" —— پھر اس کے گویا ہونے سے قبل ہی کہنے لگی:

—— محسن تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ میں دقیانوسی عادات اور فرسودہ رسومات کو اختیار کئے ہوئے ہوں،...... کیونکہ شریعتِ اسلامی ہی بہترین اور آخری شریعت ہے اور اُس کے احکام و رسومات زمانۂ جدید کی ضروریات اور تقاضوں کے عین مطابق ہیں تو اب وہ دقیانوسی اور فرسودہ کیسے ٹھہرے؟ —— اِس دینِ صحیح کی پابندی کرنیوالوں کی نسبت ایسے کھوکھلے الفاظ استعمال کرنا سخت غلطی ہے"

محسن کے دل نے یہ بات تسلیم کر لی تھی، اُس کے ضمیر کو نجمہ کی سچائی کا اعتراف تھا، لیکن اُس کا شیطان اس کے قلب و ضمیر سے زیادہ قوی تھا —— یہ سُنتے ہی وہ اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے بولا:

—— تمہاری بات بالکل صحیح ہے —— میں اپنے اِن نامناسب الفاظ کو واپس لیتا ہوں اور اِس بارے میں معذرت خواہ ہوں، لیکن اب میں ایک حل پیش کرتا ہوں جس سے ہماری باہمی الفت و محبت قائم رہے گی، پھر کہنے لگا:

—— نجمہ دیکھو! میں تمہارے لئے جدید تہذیب و تمدن اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق چلنا نہایت ضروری سمجھتا ہوں، خصوصاً جب کہ تم اِس نوعمری اور دورِ شباب میں ہو۔ یہ باتیں تو تم بوڑھی ہو

اور غیر متمدن عورتوں کے لئے رہنے دو۔ آؤ آج ہم آپس میں یہ عہد کرلیں کہ ہم اس جہانِ رنگ و بُو کی تمام لذتوں سے لطف اندوز ہونگے ...... اس کے جام و سُبو اُنڈیلیں گے اور اس کے تمام کھیل کھیلیں گے سینما اور رقص گاہوں میں جائیں گے۔

یہ سُنکر نجمہ کے مُنہ سے غیر اختیاری طور پر نکل پڑا ...... یہ سب کچھ کریں گے؟

—— ہاں ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ میں تو اِس کے لئے بھی آمادہ ہوں کہ تمھارے لئے ساحل پر ایک چھوٹا سا جہاز خرید دوں، تاکہ وہاں ہم محفلیں منعقد کریں اور اپنے دوست اور سہیلیوں کو بلائیں وہیں تمھارے لئے عمدہ عمدہ کپڑے، قیمتی پوشاکیں، جدید ڈیزائن کے زیورات اور وہ تمام سامانِ زیب و زینت خرید کرلادوں گا، جو تمھارے حسن و جمال کے شایانِ شان ہو اور جنھیں پہن کر تم فاخرانہ طور پر ان محفلوں اور مجلسوں میں شریک ہوسکو۔ اور یہ بھی مت بھولنا کہ ہم آئندہ گرمیاں پیرس کی تفریح گاہوں میں گزاریں گے، اُس رُوکھے پھیکے گاؤں سے دور جہاں ہم نے پہلی گرمیاں گزاریں۔ تو اب تم خدا کے واسطے اپنی جوانی اور شباب پر رحم کرو اور اسے اِن دنیوی خوبصورتیوں اور ازدواجی راحتوں سے محروم مت کرو!

اپنی محبت اور اُلفت جتاتے ہوئے اس نے نجمہ کے حسین چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اپنے مکر و فریب کا جال وسیع کرتے ہوئے ہنس کر کہنے لگا:

—— اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب ہم بوڑھے ہو جائیں گے، تو انشاءاللہ خوب عبادت کریں گے اور تمام دینی احکام پر چلا کریں گے۔ ...... کہو! اب تمھارا کیا خیال ہے؟

نجمہ خاموش بیٹھی اس کی باتیں سُن رہی تھی، اُس کی زبان اگرچہ خاموش تھی، لیکن اس کا دل و دماغ اپنا کام کر رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا، ایک رنگ جاتا تھا۔ وہ اپنے خاوند کی اس گمراہانہ روش پر کُڑھ رہی تھی، اُسے تہذیبِ جدید کے مفاسد میں مبتلا دیکھ کر وہ بجید کوفت محسوس کر رہی تھی، دوسری طرف وہ اس پریشانی میں مبتلا تھی کہ جس خاوند کو میں دینی احکام پر چلنے کی ترغیب دینے کا ارادہ رکھتی تھی، وہ اُلٹا مجھے گمراہ کرنے پر تلا ہوا ہے اور دین چھوڑنے کی تبلیغ کر رہا ہے۔ جیسے ہی محسن نے اپنا "وعظ" ختم کیا، نجمہ نے اپنے فرض کا احساس کیا اور اس سے دینی گفتگو چھیڑنے کا موقع مناسب سمجھا، جس کے لئے وہ عرصہ سے منتظر تھی، وہ کہنے لگی:

—— محسن! تم میرا خیال پوچھتے ہو؟ اِن خلافِ شرع اُمور اور ناجائز اعمال و افعال کے بارے میں میرا کیا خیال ہو سکتا ہے؟

—— پیارے محسن! عمر اور تمدن کو خدا کی اطاعت میں کوئی دخل نہیں۔ نو عمر ہونا یا معمر ہونا، متمدن ہونا یا غیر متمدن ہونا سب اس کے نزدیک برابر ہے۔ اگر کچھ فضیلت اور منزلت ہے تو صرف متقی کے لئے ہے۔ اگر ہمارا اختلاف خدا کی اطاعت کے علاوہ کسی اور معاملہ پر ہوتا تو میں بلا کسی تردّد کے تمھارا کہنا مان لیتی، لیکن اب یہ معاملہ میرے بس میں نہیں، .... میں عرصہ تک اِس بارے میں خاموش رہی، اب وقت آگیا ہے کہ تمھاری توجہ اس طرف مبذول کراؤں۔

اُس کی یہ کھری کھری باتیں سُنکر محسن کچھ بےچین سا ہوگیا، وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ نجمہ نے اسی رفتار سے نہایت سکون و اطمینان اور خلوص کے ساتھ اپنی گفتگو جاری رکھی کہنے لگی:

——— وہ بات یہ ہے کہ میں اور آپ دونوں ایک ہی دین کے ماننے والے ہیں، جس نے مجھ پر اپنی اطاعت فرض کی ہے، اس نے آپ کو بھی اس کا مکلف ٹھہرایا ہے۔ تو کیوں نہ ہم دونوں اُسی کی اطاعت پر متحد اور اسی کی فرماں برداری کے لئے مستعد ہو جائیں اور ہماری باہمی محبت محض اسی کے لئے قائم و دائم رہے۔

محسن اُس کی باتیں بڑی بے چینی اور تنگ دلی سے سُن رہا تھا، جب وہ یہاں پہنچی، تو وہ بہت غصہ ہوا، اس نے محسوس کیا، کہ گویا اُس کے امید بھرے دل میں کسی نے زہر بجھا تیر پیوست کر دیا ہو، اُس کے چہرے پر غصہ و ناراضگی کے آثار نمایاں تھے۔ وہ آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ نجمہ نے اُس کی یہ کیفیت محسوس کی اور اظہارِ افسوس کرتے ہوئے بولی:

——— میرا یہ خیال تو نہ تھا کہ ان باتوں سے آپ کو پریشان کروں میری اصلاح کرنا اور مجھے ہدایت کرنا تو آپ کا فرض ہے۔ میری خواہش تو یہ بھی کہ ہم دونوں خدا کی اطاعت و فرماں برداری میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں اور اس طرح ایک دوسرے کی دینی کمزوریاں دُور کریں ——— میں نے تو ایمان کی حلاوت چکھی ہے اُس کے نور سے میرا دل اب تک منور ہے، اِس سے قبل میں گمراہی کا تلخ گھونٹ بھی پی چکی ہوں، لیکن مجھے طاعتِ الٰہی کے انعام و ثواب سے بہتر کوئی چیز نظر نہیں آتی ——— اگر خدانخواستہ مجھے دنیوی لذات کی تمنا ہوتی، تو آپ کی باتیں سُن کر میں پھسل جاتی اور آپ کی پیشکش پر فوراً ریجھ جاتی...... لیکن ان میں سے کسی لالچ نے مجھے اپنے مسلک سے نہیں ہٹایا، نہ میری آرزوؤں کا رُخ موڑا، اِن عارضی تفریحات اور چند روزہ لذائذ کی اُن لافانی اور دائمی انعامات کے مقابلہ میں کیا حقیقت ہے جو طاعتِ الٰہی کے بدلہ میں ملتے ہیں، جنھیں وہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سُنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا ہے۔"

لیکن پھر اس نے محسوس کیا کہ ان باتوں سے محسن کا غیظ و غضب اور بڑھ گیا ہے اور قریب ہے کہ وہ آپے سے باہر ہو کر کچھ سخت سُست کہے، چنانچہ اس نے فوراً … اپنا طرزِ تکلم بدلا اور نہایت نرمی و عاجزی سے کہنے لگی:

——— لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں آپ کو کسی خلافِ طبیعت بات پر مجبور نہیں کرتی، آپ اپنی مرضی کے مختار ہیں، لیکن یہ بھی نہیں چاہتی کہ آپ مجھے ایسے کام پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں جو میں … اور میرا خدا نہیں چاہتا۔ بلکہ میری دلی خواہش ہے کہ اِس حیاتِ فا… کو سلامتی سے گزارنے میں آپ میرے معاون و مددگار ثابت ہوں۔

اس کے بات ختم کرتے ہی محسن نے اُسے قہر آلود نگاہ سے… دیکھا اور اُس کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا:

——— یہ باتیں اگر کسی بات کا پتہ دیتی ہیں تو وہ یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات کی حامل بیوی، کسی تہذیب جدید سے مانوس خاوند کا ساتھ نہیں دے سکتی، وہ خاوند جو مغربی تمدن کے چشمہ… سیراب ہوا ہو، کبھی اس کو ہمنوا نہیں بنا سکتا، اِسی لئے وہ اپنے میلانات ورجحانات کی مخالفت بیوی سے شادی کرنا پسند نہیں کرتا۔

پھر اس کو بڑے نانا جان کی دُعا یاد آگئی ——— پریشانی پشیمانی کے ملے جُلے جذبات میں کہنے لگا:

——— اس میں کوئی شک نہیں کہ خود میں نے ہی متعدد ماڈرن… لڑکیوں میں سے تمھیں منتخب کیا تھا اور تمھاری والدہ سے میں نے ا… ہی مرضی سے تمھارے رشتہ کی درخواست کی تھی۔ لیکن معلوم… ہے کہ انسان اپنی مرضی اور اختیار استعمال کر کے اپنی تقدیر نہیں بدل…

(باقی صفحہ …)

بشیر محمد۔ طابع و ناشر نے مشہور آفسٹ لیتھو پریس، کراچی میں طبع کرا کر دفتر "تذکرہ" آرام باغ کراچی سے شائع کیا۔

فارسی داں حضرات کے لیے بے نظیر تحفہ

قرآن مجید

بدو ترجمہ فارسی مع تفسیر

ترجمہ اول ــــ حکیم الامت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحہ

ترجمہ دوم ــــ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحہ

برحاشیہ

(۱) تفسیر فتح الرحمٰن از شاہ ولی اللہ محدث رحہ

(۲) منتخب فوائد عثمانی از علامہ شبیر احمد عثمانی رحہ

باہتمام نور محمد۔ اصح المطابع، عمدہ طباعت و صحت کے ساتھ ایک عرصہ کی کوشش کے بعد اب ہی میں طبع ہوا ہے جو اپنی افادیت کے لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے۔

طول ۱۱ انچ عرض ۷ انچ جملہ صفحات ۶۱۶۔

ہدیہ قسم اول مجلد پارچہ ۱۱/- پشتہ چرم ۱۲/- | قسم دوم مجلد پارچہ ۹/- پشتہ چرم ۱۰/-

نور محمد، کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ۔ کراچی۔ پاکستان

سب سے بڑا مقدمہ

سب سے سلیس آسان فہم ترجمہ

اور مستند تفاسیر کا خلاصہ

معجز نما کلاں

قرآن مجید

بدو ترجمہ

میں بھی

ہدیہ مجلد

چمڑا چوبیس روپے ۲۴

نمونہ کا صفحہ

مفت طلب فرمائیں

نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

TAZKERAH

ماہوار رسالہ تذکرہ آرام باغ کراچی

Regd. No. S-1733

قابلِ قدر مذہبی کتابیں

تفسیر ابن کثیر اردو کامل در ۵ جلد -/۵۵
تفسیر بیان القرآن از مولنا تھانوی کامل مجلد -/۵۶
صحیح بخاری اردو کامل در ۳ جلد -/۲۴
موطا امام مالک مترجم عربی مع اردو -/۱۲
مشکوٰۃ شریف اردو کامل در ۲ جلد -/۱۶
مظاہر حق شرح مشکوٰۃ اردو عربی کامل -/۴۵
بلوغ المرام مترجم عربی مع اردو -/۸
ترمذی شریف اردو کامل در ۲ جلد -/۱۶
قرآن مجید مترجم (انگریزی) از محمد پکتھال در ۲ جلد -/۳۲

صحیح لغات القرآن -/۴	سیرت پاک ۱/۸
کتاب التوحید مترجم -/۳	کتاب الصلوٰۃ ۱/۸
علامات قیامت -/۱	فقہ الحدیث -/۱
اسباب زوال امت ۱/۸	فہرست مفت طلب فرمائیں

نور محمد، کارخانہ تجارتِ کتب آرام باغ کراچی